جنوری 1998ء رمضان المبارک 1419ھ

1999ء

ماہنامہ

آدمیت

گوجرانوالہ

نگران و سرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جنوری 1999ء رمضان المبارک 1419ھ

ایڈیٹر عبدالقیوم ہاشمی

شعبہ سرکولیشن وحید احمد

مجلس ادارت

محمد مرتضیٰ توحیدی ، ایم محمد اکرم
پروفیسر منیر احمد لودھی، ایم محمد طالب
ڈاکٹر عبدالرشید وقار، محمد صدیق
سید عاشق حسنین مرتضیٰ شاہ بخاری
مولانا حافظ بشیر احمد

قیمت ——— 12/- روپے
سالانہ فنڈ ——— 120/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی، کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ :Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ :Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

CamScanner

اداریہ

برادران محترم! سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی جانب سے ماہنامہ "فلاح آدمیت" کے اجراء کا مقصد دین اسلام کے پیغام کو آپ کے سامنے قرآن و سنت کے مطابق پیش کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بلا تخصیص کسی بھی مجلّہ یا کتاب سے مضامین شائع کرتے رہتے ہیں تاکہ قارئین اسلام کی خوبیوں سے آگاہ ہوتے رہیں۔ ماہ نومبر کے شمارہ میں ہم نے ایک مضمون "جنات نہیں جادو بھی نہیں" کے عنوان سے شائع کیا جو ماہنامہ حکایت میں شائع ہوا تھا۔ چند بھائیوں نے اس کے متعلق بعض شبہات کا اظہار کیا ہے۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ مصنف نے پورے آرٹیکل میں جنات اور جادو کی حقیقت و ماہیت مطلق بیان نہیں کی، مگر اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ مصنف نے ان حقائق کا انکار کیا ہے۔ دراصل مصنف ہمیں یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ ایسی غیر معمولی کیفیات کو ہر مرتبہ جنات اور جادو کے کھاتے میں نہیں ڈالا جا سکتا بلکہ تحقیق کرتے ہوئے اس کی اصل کنہ تک پہنچنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں مصنف نے جدید تحقیقات کی روشنی میں اپنی بات واضح کی ہے اور جو تنقید عاملوں پہ ہوئی وہ دراصل ان نقلی عاملوں پہ کی گئی ہے جو پیسے بٹورنے کی خاطر ہر روحانی و نفسیاتی بیماری کو بھی جنات اور جادو کی کارستانی قرار دیتے ہیں۔ جنات اور جادو کا ثبوت قرآن و سنت سے ثابت ہے کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ تاہم مصنف اس کیفیت کو سمجھانے میں ناکام رہے ہیں کہ بعض ان پڑھ لوگ بھی دورہ پڑنے پر قرآن کی تلاوت کرنا یا فر فر انگلش بولنا یا اور کسی زبان میں بات کرنے کی اصل توجیہہ کیا ہوتی ہے۔ اس کی اصل توجیہہ بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے چراغ راہ کے ایک خطبہ میں وضاحت سے بیان فرمائی ہے۔ آپؒ نے جو توجیہہ بیان فرمائی وہ میں مختصراً اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ یعنی جب کسی ایسے شخص کو دورہ پڑتا ہے تو وہ لاشعوری کیفیت میں چلا جاتا ہے۔ لاشعور کا تعلق عالم ارواح سے قائم ہوتا ہے۔ اس طرح عالم ارواح کی کوئی سی روح اس شخص کی روح پہ قابض ہو جاتی ہے بالفاظ دیگر اس شخص کی روح سے عارضی طور سے منسلک ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے بعض دفعہ ٹیلی فون کی لائن کسی اور لائن سے جڑ جاتی ہے۔ تو یوں اس روح کے کلمات اس کیفیت زدہ مرد یا عورت سے جاری ہوتے ہیں۔ جونہی شعوری قوتیں بیدار ہوتی ہیں (یعنی وہ ہوش میں آتا ہے) تو وہ کیفیت بھی جاتی رہتی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صراط مستقیم پہ قائم رکھے۔ آمین یا رب العلمین

والسلام۔ عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

عبدالقیوم ہاشمی

وَّاَقِیۡمُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ (الاعراف 29)

ترجمہ "اور ہر نماز میں اپنا رخ ٹھیک اللہ کی طرف رکھو اور مخلصانہ اطاعت کے ساتھ اسکو پکارو"

تشریح! سورہ المعارج کی آیت نمبر 34' 35 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں وہی لوگ باغوں میں عزت سے" ان دو آیات سے واضح ہوا کہ جنتی لوگوں کی یہ صفت ہوگی کہ انہوں نے دنیا میں اپنی نمازوں کی حفاظت کی ہوگی۔ یہاں نمازوں کی حفاظت سے مراد ایک تو یہ ہے کہ نماز پہ استقامت اور شرعی امور کی درستگی کی جائے مگر یحافظون سے ہمیں ایک اور حقیقت کی جانب متوجہ کیا جارہا ہے یعنی نا صرف ہم اپنی نمازوں کو شرعی لحاظ سے درست رکھیں بلکہ ساتھ ہی نماز کی ادائیگی کے دوران دنیاوی اور شیطانی خیالات سے بھی اپنی نماز کی حفاظت کریں۔

قرآن کریم نے نماز کے لئے "ادا کرنے" کی بجائے "اقامت و محافظت" کے الفاظ استعمال کئے ہیں یعنی "اقیمو" اور یحافظون"۔ مطلب یہ کہ نماز کی ظاہری حالت کی درستگی کے ساتھ ساتھ باطنی حالت بھی درست رکھی جائے۔

دور حاضر کے نمازیوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہی یہ ہے کہ نماز کے وقت الٹے سیدھے خیالات ہی رواں دواں رہتے ہیں اور اللہ کی موجودگی اور احساس بالکل ناپید ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب قرآن میں ہے کہ نماز فحاشی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ مگر دیکھنے میں آتا ہے کہ اکثر نمازیوں میں یہ صفات بہ اتم موجود ہوتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہم اصل نماز کی روح سے آشنا ہی نہیں ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم نے کبھی نماز کی حقیقت کو قرآن سے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔

آیئے اب کچھ قرآنی حقائق سے نماز کے مذکورہ بالا مسائل کا حل تلاش کریں۔

نفسیات کی رو سے دیکھا جائے تو ہمارا ذہن و شعور حالت بیداری میں جو کام کرتا ہے وہ ساتھ ہی ساتھ تحت الشعور یا لاشعور میں جمع ہوتا رہتا ہے اور جب ہم شعوری کوشش سے ان خیالات کو

نفی کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہی خیالات لاشعور سے ابھر کر شعور میں آجاتے ہیں۔ جب 24 گھنٹوں میں نماز کے لئے بمشکل ایک گھنٹہ صرف ہو اور دیگر دنیاوی ہنگاموں میں 23 گھنٹے صرف ہوں تو یقیناً اس ایک گھنٹہ میں بھی انہی خیالات کا ہجوم ہو گا جو 23 گھنٹوں میں انجام پائے۔

لہٰذا حضوری والی نماز کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب ہم اپنے 23 گھنٹوں کو تبدیل کر لیں مطلب یہ کہ شعوری طور سے اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے تاکہ لاشعور میں بھی اللہ ہی کا تصور قائم ہو جائے اسی طریقہ تعلیم کو قرآن کریم ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔

فاذا قضیتم الصلوه فاذکروالله قیاما وقعودا وعلی جنوبکم (النساء)

"پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی"

لہٰذا اس آیت کی روشنی میں اللہ والے ذکر پاس انفاس کا طریقہ سکھاتے ہیں تاکہ سانسوں کے ساتھ مطابقت سے مذکورہ بالا آیت پہ کما حقہ عمل ہو سکے۔ یعنی کوئی سانس یاد الٰہی سے خالی نہ جائے جو سانس اندر داخل ہو اور باہر نکلے یہ خیال کیا جائے کہ دل نے "اللہ" کہا ہے زبان کو جنبش دینے کی ضرورت نہیں۔ اس شعوری کوشش سے ذکر اللہ دل میں قائم ہو جاتا ہے

جہاں تک نماز کے فحش اور برائیوں سے روکنے کا تعلق ہے اس آیت پہ بھی ذرا غور فرمائیں۔

ان الصلوه تنهی عن الفحشا والمنکر ولذکر الله اکبر

بے شک نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ ہم آیت کے پہلے حصے کو تو بغور دیکھتے ہیں مگر دوسرے حصہ پہ بالکل توجہ نہیں دیتے۔ یعنی اللہ کا ذکر سب سے بڑی بات ہے۔ قرآن کریم ہمیں نماز سے پہلے اور بعد ہر دو حالتوں میں ذکر الٰہی میں مشغول دیکھنا چاہتا ہے جیسے۔

"پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو ذکر الٰہی میں لگ جاؤ کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی" (النساء)

قد افلح من تزکی وذکر اسم ربه فصلی

ترجمہ فلاح پا گیا وہ شخص جس نے تزکیہ نفس کیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا اور پھر (نماز

کے لئے) مصلے پہ کھڑا ہوا۔

لہٰذا نمازوں کے درمیانی وقت میں ذکر اللہ بکثرت کیا جائیگا تبھی نماز میں تصور الٰہی قائم ہو گا اور نمازوں کی حفاظت بھی ذکر اللہ کی ہی بدولت ہو گی اور انشاء اللہ ہر نماز میں رخ (قلبی رجحان) ٹھیک اللہ تعالٰی کی جانب ہو گا۔ جب اس طرح نماز کی ادائیگی ہو گی تو یقیناً" درجہ احسان حاصل ہو گا جو کہ نماز کا مقصود ہے۔ جسے رسول کریم ﷺ نے ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو اگر تم نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔ اگر ذکر اللہ کی کثرت شعوری حالت میں کی جائے تو پہلے درجہ احسان یعنی حضوری قلب کی وہ کیفیت پیدا ہو گی جو حدیث مبارکہ کے آخر میں ہے یعنی اگر تم نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان ذکر اللہ کی کثرت کرتے ہوئے صلاتھم دائمون پہ عمل کرتا رہے تو بل آخر وہ اس حقیقت کو پا لے گا یعنی تم اللہ کی عبادت یوں کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ صحابہؓ کی نمازیں ایسی ہی ہوا کرتی تھیں۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ میں سجدہ سے سر نہیں اٹھاتا جب تک کہ خدا کو نہ دیکھ لوں۔

آنحضور ﷺ معراج کے ذریعے اللہ تعالٰی سے ملاقات کر آئے مگر امت کو بھی معراج کے ثمرات سے مستفیض فرمایا اور نماز کے راستہ سے امت کے لئے اللہ سے ملاقات کی راہ ہموار فرمائی اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ الصلوہ معراج المومنین یعنی نماز مومنوں کی معراج ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں نماز کی درستگی اور نماز سے متعلقہ تمام ثمرات کے حصول کے لئے پاس انفاس اور نفی اثبات کی مشق کرائی جاتی ہے۔ پاس انفاس کی وضاحت اوپر آ چکی ہے جب کہ نفی اثبات (لا الہ الا اللہ) کے ذریعے ذہن سے خیالات کی نفی کرنے کی مشق سکھائی جاتی ہے تاکہ قلب و ذہن اللہ کے رنگ میں رنگا جائے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں مشقی اور دکھاوے کی نماز کی بجائے قلبی حاضری والی نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس وعید سے بچائے جو قرآن میں اکثر نمازیوں کے لئے آتی ہے

فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون

(پھر خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں)

درس حدیث

رانا محمد اعجاز

عن سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الرب تبارک و تعالی شغلہ القران عن ذکری و مسالتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین و فضل کلام اللہ تعالی علی سائر الکلام کفضل اللہ علی خلقہ (بخاری)

ترجمہ! حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن نے مشغول رکھا میرے ذکر سے اور مجھ سے سوال اور دعا کرنے سے میں اس کو اس سے افضل عطا کروں گا جو سائلوں اور دعا کرنے والوں کو عطا کرتا ہوں اور دوسرے کلاموں کے مقابلے میں اللہ کے کلام کو ویسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی اپنی مخلوق کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو۔

اس حدیث مبارکہ میں قرآن مجید فرقان حمید کی عظمت و کبریائی کو بیان کیا گیا ہے اور یہ حدیث مبارکہ اس بات کا تقاضا کر رہی ہے کہ ہم قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھیں اور اس پر عمل کریں یہی واحد راہ راست کا وسیلہ ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت بھی ذکر اللہ کی ایک قسم ہے اور بعض حیثیتوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ قسم ہے۔ اس میں بندے کی مشغولیت خدا تعالیٰ کو بیحد پسند اور محبوب ہے۔ قرآن مجید کی بے انتہا عظمت کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ کلام خدا ہے اور خدا تعالیٰ کی ایک حقیقی صفت ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے یہاں تک کہ زمینی مخلوقات میں کعبۃ اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی مقدس ہستیاں اور عالم بالا و عالم غیب کی مخلوقات میں عرش، کرسی، لوح و قلم، جنت اور جنت کی نعمتیں اور خدا کے مقرب ترین فرشتے یہ سب اپنی معلوم و مسلم عظمت کے باوجود غیر اللہ اور مخلوق ہیں۔ لیکن قرآن مجید خدا تعالیٰ کی ایک حقیقی صفت ہے جو اس کی ذات عالی کے ساتھ قائم ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا بے انتہا کرم اور اس کی عظیم ترین نعمت ہے کہ اس نے اپنے رسول امین ﷺ کے ذریعہ وہ کلام ہم تک پہنچایا اور ہمیں اس لائق بنایا کہ اس کی تلاوت کر سکیں اور اپنی زبان سے اس کو پڑھ سکیں اور پھر سمجھ کر اس کو اپنی زندگی کا راہنما بنا سکیں۔ آج انسان جس منزل پر ہے وہ صرف اور صرف قرآن مجید کی وجہ سے ہی ہے جس نے اس کو اسکی حقیقی قدر سے روشناس کروا کر اس کو اس کا مقصود حیات بتایا۔

قرآن مجید میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے طویٰ کی مقدس وادی میں ایک مبارک درخت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام سنوایا تھا۔ کتنا خوش قسمت تھا وہ درخت جس کو خدا تعالیٰ نے اپنا کلام سنوانے کے لئے بطور آلہ استعمال فرمایا تھا جو بندہ اخلاص و عظمت اور احترام کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اس کو اس وقت شجرہ موسوی والا شرف نصیب ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اس سے آگے انسان کسی اور شرف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید کو کلام اللہ ہونے کی وجہ سے دوسرے کلاموں پر اسی طرح کی فوقیت اور فضیلت حاصل ہے جس طرح خدا تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر حاصل ہے۔ یہ واحد اور مکمل کلام ہے جس کو اپنی زندگیوں کا عملی جامہ پہنا کر مسلمان اپنی منزل کو پا سکتے ہیں۔ اور اپنی دنیا و آخرت سنوار سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا سیکھنا سکھانا دوسرے تمام کلاموں سے افضل ہو گا علاوہ ازیں یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول کریم ﷺ کے سب سے اہم پیغمبرانہ وظیفہ وحی کا ذریعہ قرآن مجید کو خدا تعالیٰ سے لینا اس کی عظمت کو سمجھنا اور دوسروں تک پہنچانا اور سکھانا تھا اس لئے اب قیامت تک جو بندہ قرآن مجید کے سیکھنے سکھانے کو اپنا وظیفہ بنائے گا گویا وہ رسول کریم ﷺ کے خاص مشن کا علمبردار اور خادم ہو گا اور اس کو آنحضرت ﷺ سے خاص الخاص نسبت حاصل ہو گی اسی بنا پر قرآن مجید کے متعلم اور معلم کو سب سے افضل شرف ہونا ہی چاہئے یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب کہ قرآن مجید کا سیکھنا سکھانا اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کے لئے ہو۔

موجودہ دور میں مسلمان بدحال اور غیر مسلموں سے دبے ہوئے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تعلیمات کو پس پردہ ڈال کر اپنے مقام کو کھو دیا ہے۔ دنیا میں 57 کے قریب اسلامی ممالک ہیں لیکن ان میں اسلامی اخوت و اتحاد اور بھائی چارے کا فقدان ہے اور کوئی ایسی تنظیم نہیں جو حقیقی معنوں میں ان کے لئے پلیٹ فارم ثابت ہو بلکہ وہ ذاتی مفادات کی خاطر ایک دوسرے سے ہی نبرد آزما ہیں اس کے برعکس یورپی ممالک باہمی اتحاد کے فروغ کے لئے ایک کرنسی پر متحد نظر آتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے مسائل کو متحد ہو کر حل کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ جدید سائنسی تحقیق جن حقائق سے آج پردہ اٹھا رہی ہے ان کو قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے چودہ سو برس پہلے بتا دیا تھا۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا اگر مسلمان متحد ہو کر قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل نہ کر سکیں۔ اس طرح وہ نہ صرف دنیا بلکہ آخرت بھی سنوار سکتے ہیں جو کہ ہر مسلمان کا حقیقی مشن اور مقصود حیات ہے۔

صدائے فقیر

روزے روز روز نہیں آتے

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

جب تک زندگی کا مقصود اور اسلام کی حقیقت معلوم نہ ہو تقویٰ کی اہمیت سمجھ میں آسکتی ہے نہ ہی رمضان المبارک کی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی محبت اور بندگی کے لئے پیدا فرمایا۔ حیات ارضی کے دوران اس کی حقیقی کامیابی کا دارومدار اس امر پر ہے کہ وہ بھرپور دنیوی زندگی بسر کرتے ہوئے دنیا اور متاع حیات کی محبت میں نہ پھنسے بلکہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرے اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کو ترجیح دے۔ دین اسلام کی فرض عبادات کا مقصود اہل ایمان میں یہی جذبہ پیدا کرنا اور اسے ترقی دے کر کمال تک پہنچانا ہے۔ یہی تقویٰ کی حقیقی روح ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے دنیا و مافیہا کی محبت اور نفس کی ہوا و ہوس سے بچتا ہوا اللہ کی محبت کو بڑھاتا چلا جائے اور مرتبہ احسان تک پہنچ کر اس کے مقربین کے زمرہ میں شامل ہو جائے۔ یہ تقویٰ ہی کا کمال ہے جو مومن کو متاع غرور سے بے نیاز کر کے ایمان کی معراج تک پہنچا دیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ سب برائیوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔ اسی طرح اللہ کی محبت تمام نیکیوں اور خوبیوں کا منبع ہے۔ قرآن کریم میں اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ آخرت ان متقین کے لئے ہے جو دنیا میں ظلم و ستم اور جبر کے ذریعے بڑائی کے خواہاں نہیں ہوتے بلکہ اس کے عاجز بندے اور اس کی مخلوق کے بے لوث خادم بن کر زندہ رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی کامیابی متقین کے لئے ہے اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جو متقین کے لئے تیار کی گئی ہے اور اللہ متقین سے محبت کرتا ہے۔ اہل تقویٰ کی شان کے برعکس یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہونگے جنہوں نے اپنی تمام صلاحیتیں صرف دنیا کے حصول میں صرف کر ڈالیں یعنی تقویٰ کی راہ اختیار ہی نہ کی۔ اہل ایمان کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ مال و اولاد کی محبت تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے۔ جو بھی ایسا

کریں گے وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

قرآن کریم کے شروع میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اس کتاب سے رہنمائی اور ہدایت انہی لوگوں کو عطا ہو گی جو تقویٰ والی زندگی بسر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کے حصول کے خواہاں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام نعمتیں انسان کے لئے ہی پیدا فرمائی ہیں تاکہ وہ انہیں کام میں لائے اور اپنے رب کے احسانات تسلیم کر کے اس کی شکر گزاری کا رویہ اپنائے اور اس کی محبت کی راہ میں برابر آگے بڑھتا چلا جائے۔ تقویٰ کا تقاضا بس یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع کی محبت میں پھنس کر اللہ کو نہ بھولے۔ حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر ایک صحابی نے تقویٰ کی صفت کے اظہار کے لئے ایک نہایت بلیغ مثال بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ جس طرح خاردار جھاڑیوں کے درمیان واقع کسی راستہ پر چلتے ہوئے انسان اپنی چادر کو سمیٹ کر چلتا ہے کہ مبادا کانٹوں میں الجھ جانے سے بھی پھٹ جائے اور وقت بھی ضائع ہو۔ یہی تقویٰ کی مثال ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی محبت کی خلعت اوڑھ کر ایک بھاری امانت قبول کر لی جس کے اٹھانے سے زمین' آسمان اور پہاڑ عاجز آ گئے تھے۔ اب کامیاب انسان وہی ٹھہرے گا جو اس خار زار حیات میں اللہ کی محبت کی چادر کو صحیح و سالم اور بے داغ لے کر گذر جائے۔ یہ کٹھن منزل صرف تقویٰ کے بل بوتے پر طے کی جا سکتی ہے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ رمضان المبارک کے روزوں کی غرض و غایت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے اہل ایمان گذشتہ امتوں کی طرح تم پر بھی روزے لکھ دئے گئے ہیں تاکہ تم تقویٰ حاصل کر سکو۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ تقویٰ کے حصول کے لئے روزہ ہی بہترین 'لازمی اور یقینی ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے ہر دور کے انسانوں کی تربیت کے لئے اسے فرض قرار دیا گیا۔

تقویٰ کے دو جزو ہیں پہلا ماسواء اللہ کے کانٹوں سے اپنا دامن بچانا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔ تقویٰ کی تقویت کے لئے سالانہ روزوں کے تربیتی کورس میں ان دونوں پہلوؤں کو پوری اہمیت دی گئی ہے۔ ایک طرف پورا دن بھوکا پیاسا رکھنے کا اہتمام ہے تاکہ اہل ایمان کھانے' پینے اور جنسی جبلتوں کو ترک کر کے یہ ثابت کر دیں کہ ہم اپنے

محبوب حقیقی کی رضا کے لئے سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ ان حلال چیزوں سے اپنے نفس کو روکنے کی مشق سے غرض و غایت یہ ہے کہ تقویٰ کا وہ ملکہ حاصل کیا جائے جس کی مدد سے ہر اس چیز سے بچا جا سکے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جسم کے تمام اعضاء کا روزہ ہے اور جس نے جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی غرض نہیں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ گویا ماکولات و مشروبات سے رکنے کی مشق کا اصل مقصد اپنے سرکش نفس کو لگام ڈالنا اور منکرات سے باز رہنا ہے۔ یہی امر صوم یعنی روزے کی بنیادی حقیقت ہے کیونکہ صوم کے لفظی معنی کسی چیز سے باز رہنا یا رک جانا ہے۔ دوسری عبادات میں کچھ کام کرنے کے ہوتے ہیں لیکن روزے میں ان کے برعکس اپنے آپ کو چند کاموں سے روک کر رکھنا ہوتا ہے۔ یہ سیلف کنٹرول یعنی ضبط نفس کی تربیت کا انتظام کیا گیا ہے۔

ماہ رمضان کے روزوں کے اس پہلو کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کو فروغ دینے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے نماز تراویح، نوافل، مالی صدقات اور قرآن کریم کی کثرت کے ساتھ تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔ سحری کے وقت بیدار ہو کر نماز تہجد کی خصوصی برکات حاصل کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں تمام دنیوی سرگرمیاں قطع کر کے اللہ کے گھروں میں معتکف ہو جانے کی بھی ترغیب دی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سمیٹ لی جائے۔ دین اسلام کے اس سالانہ روحانی تربیتی نظام سے اگر کماحقہ استفادہ کیا جائے تو دوسرے کسی چلے اور مجاہدے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

قرآن کریم کے نزول والے مہینہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیشہ کے لئے خصوصی برکتوں اور رحمتوں کے نزول کا مہینہ بنا دیا ہے۔ اس ماہ کی نفلی عبادت سے فرضوں کی ادائیگی کا ثواب ملتا ہے اور فرائض کا اجر ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس ماہ کے دوران ابلیس اور اس کے کارندوں کو قید کر لیا جاتا ہے۔ اس کا ظاہری ثبوت تو اس ماہ مبارک میں اہل ایمان کی جوش و خروش کے ساتھ صوم و صلوٰۃ کی پابندی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سے ملی ہوئی اس

روحانی سہولت سے حقیقی فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی کوتاہیاں اور خامیاں دور کرلیں تاکہ اللہ کا مزید قرب حاصل کرسکیں۔ اگر ہم سچے دل سے سدھرنے کا ارادہ کرلیں تو اس ماہ کی برکت سے باہر سے کوئی شیطانی طاقت ہماری راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالے گی۔ لیکن اگر ہمارا اپنا ارادہ ہی یہ ہو کہ ایک ماہ کی بھوک پیاس کی مشقت کے بعد عید کے روز اپنی گذشتہ روش کی طرف لوٹ جانا ہے پھر تو معاملہ کی نوعیت ہی مختلف ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ انہی کی مدد فرماتے ہیں جو اپنی مدد آپ کرنے کی ہمت کرتے ہیں۔ وہ ہماری حالت کو صرف اسی صورت میں بدلتے ہیں جب ہم خود اپنے نفسوں کو بدلنے کے لئے کمربستہ ہوجائیں۔

اگر ہمیں اللہ کی محبت کی فکر ہو' میدان حشر میں اس کے سامنے پیشی کی فکر ہو' اسکی رضا و رحمت اور جنت کی سچی طلب ہو تو سب مہینوں کا یہ سردار مہینہ اللہ تعالیٰ کی ایک بیش بہا نعمت ہے۔ جو رحمتیں رمضان شریف میں نازل ہوتی ہیں وہ دوسرے مہینوں میں بھلا کہاں نصیب ہوسکتی ہیں۔ رمضان المبارک کے روزوں کی برکتوں کا مقابلہ پورے سال کے روزے بھی نہیں کرسکتے۔ ایسے روزے روز روز نہیں آتے یہ مہینہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت طلب کرنے اور عفو درگذر کے لئے التجائیں کرنے کا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ پوری ہمت صرف کردیں۔ قلت طعام و منام کی مشق کے ساتھ ساتھ کثرت ذکر' کثرت تلاوت قرآن' کثرت درود شریف' کثرت صدقات اور صلوٰۃ تراویح و نوافل سے روحانی ترقی کے نادر مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھائیں تاکہ ہمارا نفس سرکشی کی روش ترک کردے اور ہمارے اندر صراط مستقیم پر چلنے' اخلاق کا تزکیہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا جذبہ اس قدر قوی اور بلند ہوجائے کہ سال بھر کے لئے کافی ہوجائے۔ ہر کورس اور تربیتی مشق کا اصل ہدف انسانوں کی سوچ اور ان کے کردار میں تبدیلی لانا ہوتا ہے۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم عید کے دن اپنے قلب و نفس کا جائزہ لیں کہ کیا واقعی ہمارے اندر تقویٰ کی مطلوبہ قوت پیدا ہوگئی ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہو تو اس بات پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کیونکہ مہینہ بھر کی محنت کا یہ ثمر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے۔ یہی اصل عید اور عید کا حقیقی پیغام ہے کہ ماہ شوال کا چاند ہمیں ایک بدلا ہوا انسان پائے۔

CamScanner

گھر کا جوگی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ارشاد فرمایا کہ گھر کا جوگی جوگڑا والی کہاوت بالکل درست ہے۔ گھر والے آپ کی بزرگی کو کم ہی مانتے ہیں۔ میرے اپنے عزیزوں میں سے کتنے لوگ حلقہ میں شامل ہوئے۔ اب کچھ لوگ آنا شروع ہوئے ہیں جب دیکھا کہ ان کا حلقہ کافی وسیع ہو گیا ہے اور آستانہ بھی تعمیر ہو رہا ہے۔ اور تو اور مجھے میری اپنی بیگم بھی نہیں گانٹھتی۔ وہ تو اپنے آپ کو مجھ سے بھی اونچا سمجھتی ہے اور کہتی ہے کہ تم کیا بزرگ بنے بیٹھے ہو میرے ساتھ تو اللہ میاں باتیں کرتا ہے۔ تمہیں ایک بڑے مزے کی حکایت سناتا ہوں۔ ایک آدمی فقیری کے شوق میں گھر بار چھوڑ کر چلا گیا کافی مدت تک مجاہدوں میں مشغول رہا تو اسے ہوا میں اڑنے کا ملکہ حاصل ہو گیا۔ ایک دن وہ محو پرواز تھا تو اپنے گاؤں کے اوپر سے اس کا گذر ہوا۔ وہ ذرا نیچے آ گیا اور گاؤں کے دو تین چکر لگائے۔ سب لوگ ایک انسان کو اڑتے ہوئے دیکھ کر اس کی عظمت اور بزرگی کے معترف ہوئے اور اللہ کی تسبیح بیان کرنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد وہ بزرگ اپنے گھر لوٹے تو اس کی بیوی نے ہوا میں پرواز کرنے والے بزرگ کا تذکرہ بڑی عقیدت کے ساتھ کیا اور ساتھ ہی اپنے خاوند سے پوچھا کہ تم نے بھی کوئی مرتبہ حاصل کیا ہے یا یوں ہی خاک چھانتے پھرتے رہے ہو۔ اس بزرگ نے فرمایا ہوا میں اڑنے والا میں ہی تھا اور اس نے ساری نشانیاں بھی بتائیں کہ تم فلاں فلاں جگہ کھڑی تھیں اور فلاں فلاں عورت بھی تمہارے ساتھ تھی۔ میں فلاں طرف سے پرواز کرتا ہوا آیا اور یوں میں نے چکر لگائے تھے۔ جب محترمہ کو یقین ہو گیا کہ پرواز کرنے والا میرا خاوند ہی تھا تو گویا ہوئیں کہ "اچھا یہ تم تھے اسی لئے ٹھیک طرح سے تمہیں اڑنا بھی نہیں آیا۔ ایک بازو یوں ٹیڑھا تھا اور ٹانگ بھی بے ڈھنگے طریقے سے یوں لٹکی ہوئی تھی۔"

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطوط

(تدوین و ترتیب:۔ خالد مسعود)

(1)۔ وعدہ خلافی

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 63-11-30)

"میں کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا سوائے اس حالت کے جب کہ قدرتاً" وعدہ پورا نہ کرنے پر مجبور ہوں۔ دراصل صحت ابھی تک اس قابل نہیں کہ کراچی کا سفر کر سکوں۔ ویسے پہلے کی نسبت صحت بہت اچھی ہے۔ اس لئے آپ لوگوں کو ناراض نہیں ہونا چاہئے۔ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے="

(2)۔ جنگل میں منگل

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 66-1-11)

"اللہ میاں کو منظور نہیں کہ کنونشن وہاں ہو جہاں آپ چاہتے ہیں۔ لہٰذا سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ جو لوگ اللہ اللہ کرتے ہیں ان کے جنگل میں بھی منگل ہی رہتا ہے۔"

(3)۔ دیر سویر

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 70-7-5)

"آپ کی ترقی سے بہت خوشی ہوئی اللہ مبارک کرے۔ شرمانے یا ڈرنے کی کیا بات تھی دیر سویر ہر شخص سے ہو جاتی ہے۔ یہ معلوم کر کے اور بھی مسرت ہوئی کہ وہاں کا حلقہ بہت اچھا چل رہا ہے۔ مگر حلقہ کی تعداد بڑھانے کی کوشش کریں اور وہاں جو لوگ تین ماہ سے زیادہ طالب رہ چکے ہیں ان کو میرے لئے اپنے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔"

(4)۔ ردی ٹکٹ

(بنام محمد قاسم صاحب 65-11-25)

"افسوس ہے کہ ردی ٹکٹ واپس نہیں بھیج سکتا۔ ایسے ٹکٹوں کی تو مجھے سخت تلاش ہے۔ بلکہ میں نے آپ کے جوابی لفافہ کا ٹکٹ بھی اتار لیا ہے اور اس کے بدلے میں چار آنے والا ٹکٹ لگایا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میری بہن کی ایک لڑکی ہے جو بچپن سے مفلوج ہے۔ یعنی اس کا نیچے کا دھڑ بچپن ہی سے مفلوج ہے۔ نہ چل پھر سکتی ہے۔ نہ کوئی کام کر سکتی ہے۔ ماں ہی منہ دھلاتی ہے کھانا کھلاتی ہے۔ پیشاب پاخانہ کراتی ہے۔ نہلاتی ہے۔ یہ بچی اس وقت تیس برس کی ہے۔ اس کو اور چند اشغال کے علاوہ ٹکٹ جمع کرنے کا شوق بھی ہے۔ میں نے اس کو امریکہ، انگلینڈ اور آسٹریلیا سے بھی ٹکٹ منگا کر دئے ہیں۔ اس نے لکھا تھا کہ مجھے انڈسٹریل ٹکٹ دو آنے آٹھ آنے اور چودہ آنے والے کہیں سے ملیں تو ضرور بھیج دیں اور اپنے مریدوں کو لکھ دیں کہ وہ کہیں سے فراہم کر کے بھیجیں۔ تو اس سلسلہ میں یہ دونوں ٹکٹ میں نے رکھ لئے ہیں اگر آپ کو اور قیمتوں کے انڈسٹریل ٹکٹ مل سکیں تو وہ بھی بھیج دیں"

(5)۔ ایسے حلقہ پر لعنت

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 62-11-8)

"میں تو ملک صاحب کی اصلاح چاہتا ہوں انکا برا نہیں چاہتا۔ کیا آپ کی رائے میں انہوں نے اتنا قرض لے کر برا نہیں کیا۔ اور میں نے تو سنا ہے کہ کمیٹی جن جن لوگوں کے نام نکلی ملک صاحب نے ان کو نہیں دی خود کھا گئے۔ کیا اللہ والے ایسے ہی بددیانت ہوتے ہیں۔ کیا ہمارے حلقہ کے آدمیوں کو ایسا ہونا چاہئے۔ پھر تو ایسے حلقہ پر لعنت ہے اور وہ تو خادم حلقہ ہیں"

دین اور مخلوق

محمد مرتضیٰ توحیدی

دین کو دنیا والوں کو دینا ہے۔ ان کو بتانا ہے۔ اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اب یہ کام ہم سب نے کرنا ہے۔ اور مل جل کر کرنا ہے۔ صداقت کے اوپر دو سرا خول نہیں چڑھانا ہے۔ صداقت صداقت ہی ہے اور اس سے ہٹ کر جتنی چیزیں ہیں وہ صداقت نہیں ہے۔ صداقت کا تعلق اللہ اور اس کے دین سے ہے۔ ہماری زبان عربی نہیں ہے ہم لوگ عربی زبان کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے ہمیں دوسرے لوگوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور سمجھانے والوں نے ہمیں دین اور دین کی صداقت سے بہت دور پھینک دیا۔ توحید اور رسالت کے تصور کو کمزور کر دیا۔ ایمان کی ضرورت کو دنیاوی بندشوں میں پرو دیا گیا۔ انسان کے پاک صاف ذہن میں ایسی چیزیں ڈال دی گئیں کہ وہ اپنی سوچ کی آزادی سے محروم ہو گیا۔ وہ انسان جو اللہ کا خلیفہ ہے۔ بندوں کا بندہ بنتا چلا گیا اور ایسے چوراہے پر آکر کھڑا ہو گیا جہاں سے اسے کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ توحید کی سوچتا ہے تو رسالت میں گم ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام کی سوچتا ہے تو تابعین میں گم ہو جاتا ہے۔ تابعین کی سوچتا ہے تو بزرگان دین میں گم ہو جاتا ہے۔ بزرگان دین میں سوچتا ہے تو عوام میں گم ہو جاتا ہے اور عوام میں سوچتا ہے تو دنیا میں گم ہو جاتا ہے اور اسی میں کھو جاتا ہے اور شیطان کے راستہ پر لگ جاتا ہے۔ اللہ کے دین کو چھوڑ کر شیطان کی دنیا کو اپنا لیتا ہے اور اسی میں زندگی گذار کر اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ کیا اسلام کا یہی انداز ہونا چاہئے۔ اگر نہیں ہونا چاہئے تو پھر کیا ہونا چاہئے اور یہ سوچ اس حد تک غلامی میں جکڑ دی گئی ہے کہ اگر کسی انسان کو آپ سچ بولنے کے لئے کہیں تو وہ آپ کی طرف تعجب سے دیکھتا ہے اور سوچتا ہے یہ کیا کہہ رہا ہے یعنی ایک روشنی اسے اندھیرا نظر آتا ہے اندھیرے میں روشنی تلاش کرتا ہے۔ روشنی میں روشنی تلاش نہیں کرتا۔

دین ایک روشنی ہے جو مخلوق کو صداقت کی طرف لے جاتا ہے۔ صداقت کی طرف لے جا کر اس کے ظاہر اور باطن دونوں کو روشن کر دیتا ہے اور صرف روشن ہی نہیں کرتا بلکہ وہ اس نور اور روشنی سے ہم کلام ہوتا ہے اور اپنی صداقت کی تصدیق پر اللہ کا شکر بجالاتا ہے وہ اللہ کے نزدیک سے نزدیک تر ہونے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ کی نزدیکی پر بے پناہ خوشیوں کا

اظہار کرتا ہے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے وہ اللہ کی رحمتوں کی پناہ میں ہوتا ہے۔ وہ اللہ کا ہو جاتا ہے اور اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ کیا اس صداقت کی تلاش لوگوں کو نہیں ہے۔ بالکل ہے سب لوگ صداقت اور محبت کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ تو اور کوئی زندگی ہی نہیں نہ اس کو زندگی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو چیزیں ہیں وہ موت ہے اور موت تو موت ہی دیتی ہے جیسے زندگی زندگی دیتی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ ہم موت سے نکل آئیں زندگی کی طرف چلیں اپنے آپ کو زندہ کریں۔ آزاد کریں اور شیطان کی غلامی سے نکل کر اللہ کی غلامی اختیار کریں۔ نبی پاک ﷺ کی زندگی اپنائیں روشنی اختیار کریں۔ ظاہراً و باطناً پر نظر رکھیں شیطان کے دھوکے سے بچیں اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑیں۔ اللہ کے حکم کو بلا چوں و چراں خوشی اور لگن سے کریں اور اسی کی تبلیغ کریں۔

صداقت والی زندگی کے جتنے انسان ہیں وہ ایک جماعت ہے وہ ایک کنبہ ہے چاہے وہ جہاں بھی رہتے ہوں۔ جو بھی زبان بولتے ہوں۔ وہ ایک اللہ کے ماننے والے ہیں وہ ایک رسول کو ماننے والے ہیں کیونکہ محمد ﷺ نے تمام انبیاء کی مسجد اقصیٰ میں امامت کی اور سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ تمام نبی ایک ہو گئے اور تمام امتیں ایک ہو گئیں۔ جب تمام نبیوں نے محمد ﷺ کو اپنا نبی مان لیا بلکہ پوری کائنات کا نبی مان لیا۔ تمام انبیاء نے ان کو اپنا سرتاج مان لیا تو ان کے امتیوں کو کیا پڑی ہے کہ وہ الگ رہیں وہ اپنے نبی کے ساتھ محمد ﷺ کو اپنا نبی مان لیں اور صداقت والی زندگی اپنا لیں۔ روشنی کی طرف آتے جائیں۔ روشنی کی طرف آنے سے ہی سب کی فلاح ہے اس صداقت کی زندگی کو اپنایا جائے۔ اب تو دنیا اتنی چھوٹی ہو گئی ہے کہ جیسے ایک گاؤں ہو ہر جگہ کی خبر ہر جگہ سیکنڈوں میں پہنچ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کام آسان کر دیئے۔ اب بات ساری ظاہر ہو گئی ہے۔ اللہ ایک ہے' واحد ہے اور اکیلا ہے۔ نبی پاک محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔ اللہ خالق و مالک ہے اور نبی پاک ہمارے اور تمام انسانیت اور کائنات کے رہبر اور رہنما ہیں۔ اللہ کی توحید اور خالق ہونے پر ایمان رکھنا اور مخلوق میں نبی پاک ﷺ کی اتباع کرنا زندگی کا حصول ہے۔ اور یہی صداقت ہے اور یہی روشنی ہے۔

جس طرح دو رنگوں کے کپڑے پہننے والوں کو ایک رنگ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ تو اسی طرح مختلف انبیاء کو نہ ماننے والوں کو کیسے ایک امت کہا جا سکتا ہے اور جب تک دنیا میں ایک امت نہیں

ہو سکتی وہ دنیا سکون میں نہیں رہ سکتی۔ اس میں زندگی نہیں آسکتی اس میں صداقت نہیں آسکتی۔ اس میں سکون نہیں ہو سکتا۔ پھر مخالفت برائے مخالفت چلتی رہے گی۔

ظاہر ہے اللہ نے جو کچھ کیا وہ سب کچھ اپنی قدرت اور علم کے دائرے سے کیا۔ اس کو کسی صورت میں کسی سے مدد لینے کی کوئی ضرورت نہیں نہ ہی وہ کسی سے صلاح و مشورے کا محتاج ہے وہ سوچا اور ہو گیا۔ پلک جھپکنے میں بھی کچھ وقت لگتا ہو گا۔ لیکن وہ تو تمام حالات و سکنات سے بالا تر ہے۔ دیکھ لیں کہ آخری نبی کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور درس و ہدایت کا کام چل رہا ہے۔ اور جو صداقت والی زندگی نہیں اپنائے گا وہ روشنی سے محروم رہے گا جو روشنی سے محروم رہے گا اس کو کوئی عرفان نہیں ہو گا۔ دلوں کے سودے ہیں آج دل و دماغ کو صاف کر لو۔ ایمان کا دلوں میں داخل ہونا شروع ہو جائے گا۔ اور آخرت اور دنیا دونوں میں روشنی ہی روشنی ہو جائے گی۔ آج سے چالیس سال پہلے امریکہ شمالی اور جنوبی میں کوئی مسلمان نہیں تھا اور آج کوئی جگہ ایسی نہیں کوئی شہر ایسا نہیں جہاں مسلمان نہ ہوں۔ اللہ کے دین کی روشنی ہر طرف جلوہ فگن ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہم سب لوگوں کو چل کر اس روشنی کو پیار سے آگے لے جانا ہے اور لے جانا چاہئے اور پوری دنیا میں امن کا ضامن اسلام ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کا دین ہے اس میں کجی نکال کر اپنی خواہش کی تکمیل کرنا اچھی بات نہیں ہے اپنی تکمیل خواہش کر کے کوئی کیا کر لے گا۔ آخر تو آیا بھی اللہ کے حکم سے اور جائے گا بھی اللہ کے ہی حکم سے۔ جب عالم ارواح میں تھا تو وہ بھی اللہ کے حکم سے ہی آیا اور اس دنیا میں اچھے یا برے کام کر کے جائے گا تو وہ اللہ کے حکم سے ہی جائے گا۔ اور اللہ نے ہی فیصلہ کرنا ہے کہ تمہارا کیا انجام ہو گا اور اس فیصلہ کے سامنے اللہ کے احکامات کی حکم عدولی بھی شامل ہو گی۔ اب یہ ہر انسان کا اپنا کام ہے کہ فیصلہ کر لے کہ وہ کہاں جانا چاہتا ہے۔ اگر وہ اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے صداقت والی زندگی اپنا لے اور اگر نہیں تو خود تمام حالات کا ذمہ دار ہو گا۔ اس وقت اللہ کے صحیح فیصلہ سے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ مالک اور مالک کل ہے۔ جو چاہے کرے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ عام انسانوں سے اور بالخصوص مسلمانوں سے گذارش کرتا ہوں کہ صداقت والی زندگی آزادئی ذہن کے ساتھ اپنا کر اور اللہ اور رسول کریم ﷺ کی ہدایات پہ عمل کر کے اپنی تاریک زندگی کو روشن کر لیں، روح کو لطیف کر لیں۔ نفس کو پاک صاف کر لیں اور دنیا میں مخلوق کی خدمت کر کے اس کی دعائیں لیکر اوپر کی طرف پرواز کرے۔ آمین ثم آمین

موت کا ذائقہ

(حصہ دوم) ایم ایچ خان

موت ناقابل برداشت کیفیت ہے یا ابدی سکون؟

پچھلے پیرایوں میں ہم نے جب موت کا بائیو کیمیاوی تجزیہ پیش کیا تھا تو اس سے ثابت ہوا تھا کہ موت کی حالت میں تکلیف سے متعلق ہمارے اکثر نظریات درست نہیں ہیں۔ NDE کے جتنے تجربات سامنے آئے ہیں ان میں سکرات موت' نزع کے عالم کی ناقابل برداشت تکلیف یا ابدی سکون کے حوالے سے متفرق واقعات' مشاہدات میں آئے ہیں۔ ڈاکٹر سید امجد علی کے پہلے واقعے میں انہوں نے محسوس کیا کہ ہر ہر سیل سے روح نکل رہی ہے لیکن اس عمل میں انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی ورنہ وہ تذکرہ ضرور کرتے۔ اس طرح NDE کے دیگر واقعات میں لوگوں نے انتہائی سکون اور کیفیت کا اظہار کیا مثلاً" سائنسدان ایڈیسن کے آخری کلمات بہت قابل ذکر ہیں کہ "وہاں بڑا سکون ہے" اسی طرح جرمن کے مشہور شاعر گوئٹے کے آخری الفاظ یہ تھے (LIGHT OH MORE) (ارے بہت زیادہ روشنی) لیکن بعض دوسرے واقعات میں مریض شدید تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ ان متفرق کیفیات کے بعد اب اس امر کی وضاحت کی ضرورت پیش آتی ہے کہ آیا موت بنیادی طور پر تکلیف دہ کیفیت ہے یا فرحت بخش احساس۔

تکلیف کا تعلق درد سے ہے۔ آیئے پہلے یہ معلوم کرتے ہیں کہ درد کیا ہے اور کیوں ہوتا ہے؟ اس کے بعد ہم موت کی تکلیف یا درد کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ درد دراصل ہمارے جسم کے مدافعتی نظام کا ایک اہم محرک ہے۔ ہمارے جسم کے کسی حصے میں اگر درد ہو رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حصہ کو توجہ کی ضرورت ہے۔ یہ قدرت کی جانب سے بنایا گیا ایسا منظم نظام ہے جس سے زندگی کا قیام اور اس کی حفاظت ممکن ہوتی ہے۔ سائنسی نقطہ نظر سے جب ہمارے ہاتھ پر نوکیلی پن PIN چبھتی ہے تو کھال میں موجود موصولی خلئے جنہیں نیوران NEURONS کہا جاتا ہے فوراً" حرکت میں آجاتے ہیں۔ ہر سیل سے دوسرے سیل سے ہوتی ہوئی یہ اطلاع برقی رو کی صورت میں دماغ تک جاتی ہے کہ سوئی چبھی ہے۔ دماغ اس پیغام رسانی کو وصول کرتا ہے۔ دماغ کو

اس کے لاشعور سے اطلاع ملتی ہے کہ ہاتھ کو فوراً "اس مقام سے ہٹنا چاہئے اور ہم اپنا ہاتھ سوئی کی نوکیلی سطح سے ہٹا لیتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ قدرت کے بنائے ہوئے منظم نظام کے تحت ایک لمحے میں ہو جاتا ہے۔ درد دراصل دماغ کے ذریعے لاشعور کی یہ اطلاع ہے کہ جسم کو توجہ درکار ہے لہٰذا جتنا زیادہ بگڑا ہوا کیس ہو گا' دماغ اسی قدر زیادہ تکرار کے ساتھ اطلاع دے گا۔ اسی اطلاع کو درد' تکلیف یا اذیت کہتے ہیں۔ لیکن ایلو پیتھی طریقہ علاج درد کی دو اقسام یعنی پٹھوں اور ہڈی کے درد سے واقف ہے اس سے آگے اس کی معلومات محدود ہیں۔ درد کے سلسلے میں ہومیو پیتھی یہ کہتی ہے کہ جسم میں ایتھر کے بہاؤ میں کسی جگہ خلل آنے سے درد ہوتا ہے۔ اسی طرح ایکوپنکچرسٹ اسے "ین" اور "ینگ" نامی دو قوتوں کے تعطل سے تعبیر کرتے ہیں۔ بظاہر یہ تینوں نظریات علیحدہ دکھائی دیتے ہیں لیکن روحانیت ان تینوں میں موجود قدر مشترک کی وضاحت کرتی ہے لیکن یہاں اس کی مکمل وضاحت کی گنجائش نہیں ہے۔

درحقیقت "درد" ایک اطلاع ہے۔ اس بات کو باریک بینی سے سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ سیلز کا ٹوٹنا ایک الگ امر ہے جبکہ تکلیف یا درد ہونا دوسرا۔ تکلیف ہونا اس بات کی اطلاع ہے کہ اس حصہ میں سیلز ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں اس لئے یہ حصہ توجہ چاہتا ہے۔ اس اطلاع کے بعد یعنی درد ہونے کے بعد ہم بے چین ہو جاتے ہیں اور جلد از جلد سیلز کی اس ٹوٹ پھوٹ یا عام فہم زبان میں زخم کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس بات کو ایک بار پھر سمجھ لیجئے کہ سیلز کا ٹوٹنا ایک دوسرا عمل ہے جب کہ درد ہونا دوسرا۔ اس کی ایک دلیل ہم پچھلے پیرایوں میں بھی یہ دیتے آئے ہیں کہ ہمارے جسم میں ہر وقت سیلز ٹوٹ بھی رہے اور اور نئے تعمیر بھی ہو رہے ہیں یعنی قدرت کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ جسم کو یہ احساس دلائے کہ تم ہر لمحے مر رہے ہو اور مر کر جی رہے ہو۔ اگر بالفرض قدرت ہمیں اس بات سے آگاہ کرنا چاہتی تو کوئی نہ کوئی اطلاع ضرور دیتی یعنی سیلز کے ٹوٹنے کے بعد دماغ کو اطلاع ملتی کہ درد ہو رہا ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ جسم میں کسی بھی ضرورت کے تحت چاہے حادثاتی طور پر یا طبعی طور پر سیلز کے ٹوٹنے کی ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ حادثاتی طور پر ہمیں جو تکلیف ہوتی ہے وہ دراصل دماغی اطلاع ہے اور اس کے علاوہ سیل کے ٹوٹنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ پچھلی سطور

میں ڈاکٹر سید امجد علی نے موت کے وقت جب یہ محسوس کیا کہ ان کے ہر ہر سیل سے روح نکل رہی ہے تو انہیں تکلیف کا مطلق احساس نہیں ہوا یہ بھی اسی جانب اشارہ ہے۔

موت ایک ایسا عمل ہے جس میں جسمانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے یعنی ہر ہر سیل پر موت وارد ہوتی ہے لہٰذا یہ بات طے ہے کہ موت کے وقت سیلز کے مرنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

اب ہم موت کے وقت ہونے والی تکالیف کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ کیوں ہوتی ہیں۔ بنیادی طور پر اموات کی دو اقسام ہیں یعنی حادثاتی اموات اور طبعی اموات

حادثاتی اموات

حادثاتی طور پر مرنے والوں کی تمام تر تکالیف محض زخم کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ روح کے نکلنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس طرح کے بہت سے واقعات موجود ہیں کہ حادثہ ہوتے ہی شعور معطل ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ اسے بے ہوشی اور بعض آنکھوں میں اندھیرا آنا کہتے ہیں۔ ایسے شخص کو محسوس ہوتا ہے کہ حادثہ ہوتے ہی اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آگیا اور پھر معلوم نہیں کیا ہوا۔ ایسے حضرات اگر ہوش میں آجاتے ہیں تو انہیں سخت تکلیف کا احساس ہوتا ہے لیکن یہ تکلیف زخموں کی ہوتی ہے روح کے نکلنے کی نہیں۔

راقم الحروف کے بڑے بھائی کا ایک مرتبہ بہت خطرناک روڈ ایکسیڈنٹ ہوا۔ الحمد اللہ وہ بقید حیات ہے۔ یہ واقعہ انہی کی زبانی سنئے کیونکہ ان کی کیفیات ہماری دلیل کو پختہ کرتی ہیں "چند سال پیشتر میں حسب معمول اپنی موٹر بائیک پر دفتر جا رہا تھا کہ ایک موڑ کاٹتے ہوئے پیچھے سے آنے والے ایک ٹرک نے کچل دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا سر ٹرک سے ٹکرایا اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ میں دونوں پیروں اور موٹر سائیکل سمیت ٹرک کے پہیے کے نیچے تھا۔ اب مجھے زبردست تکلیف کا احساس ہوا۔ لوگوں نے مجھے اس میں سے نکالا اور ایک گاڑی میں ڈال کر ہسپتال میں لے گئے۔ گاڑی میں ہاتھ پاؤں مڑنے لگے۔ خون بہت زیادہ بہہ رہا تھا۔ بہرحال ڈاکٹر کی مسلسل تگ و دو سے میری جان بچالی گئی"۔

یہ واقعہ صرف ایک روڈ ایکسیڈنٹ کا ہے جس کا بظاہر موت کی کیفیت سے تعلق دکھائی نہیں دیتا لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ جان لیوا روڈ ایکسیڈنٹ جن میں بچنے کے امکانات نہایت کم ہوتے

ہیں ان میں ایکسیڈنٹ کے فوراً" بعد بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور شعور معطل ہو جاتا ہے۔ ہم نے حساس حادثات کے اب تک کیسز CASES سے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ اس حالت کو عام طور پر بے ہوشی کہا جاتا ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ موت کی ابتدائی حالت ہے اس حالت کے بعد جن لوگوں کو ہوش آ جاتا ہے تو انہیں سخت اذیت ہوتی ہے لیکن یہ تکلیف یا اذیت زخموں کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ روح کے نکلنے سے۔ سائیکالوجی کے بعض ماہرین کا تاثر بھی یہی ہے کہ بے ہوشی کا اول الذکر مختصر دورانیہ ہی دراصل موت کی کیفیت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن پر موت کی پر سرور کیفیات طاری ہوتی ہیں وہ لاشعور میں ہوتی ہیں اور وہ عالم شعور میں نہیں آتے۔ جو لوگ شعور میں آ جاتے ہیں ان کا شعور اس بات کی بار بار اطلاع دیتا ہے کہ جسمانی نظام ٹھیک نہیں ہے دراصل یہی درد یا تکلیف ہے۔

طبعی موت

اسی طرح طبعی موت بھی عموماً" کسی بیماری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مثلاً" اگر کوئی شخص کینسر میں مبتلا ہے تو اس کی موت میں تکلیف بیماری کے عروج کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس کی تمام اذیت کا محرک بھی کینسر کی ہولناک کیفیت ہے' موت نہیں ہے۔

شہادت

اب ہمارے پاس انتقال کی ایک ایسی قسم سامنے آتی ہے جسے دین نے شہادت قرار دیا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے سے قبل ہم پہلے ایک قانون کا جائزہ لیتے ہیں۔ فرض کریں آپ دلچسپ ناول پڑھنے میں مشغول ہیں۔ آس پاس خاموشی ہے۔ ایسے میں آپ کی تمام تر توجہ اور انہماک ناول کے اندر ہو گا۔ اس حالت میں اگر آپ کے پاؤں پر چیونٹی کاٹ لے تو اگر آپ کا زبردست انہماک کتاب کی جانب ہے تو آپ کو اس کا مطلق احساس نہیں ہو گا۔

تقریباً" دس سال قبل ہمارے ایک عزیز کے دو بچوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا۔ (اب ماشاء اللہ وہ کئی بچوں کے باپ ہیں) یہ غم ایسا تھا کہ دونوں میاں بیوی نڈھال ہو گئے۔ بچوں کی تجہیز و تکفین کے کئی روز بعد ہمارے عزیز بچوں کی قبروں پر گئے۔ وہاں جا کر فاتحہ خوانی کی اور پھر ان پر گریہ

وزاری طاری ہو گئی۔ کافی دیر تک روتے رہے۔ جب غلبہ کچھ کم ہوا تو انہیں محسوس ہوا کہ ران پر خارش ہو رہی ہے انہوں نے خارش کے مقام سے جب ہاتھ ہٹایا تو وہ خون میں لت پت تھا۔ اب انہوں نے صحیح طور سے دیکھا تو وہاں ایک انچ لمبا گولی کا زخم تھا۔ ان دنوں کراچی میں لسانی فسادات ہو رہے تھے۔ لہٰذا کسی نے انہیں گولی ماری تو وہ ران کو چھوتی ہوئی گزر گئی لیکن انہیں تکلیف یا درد کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ اب ہم تلاش کرتے ہیں کہ آخر انہیں اس وقت تکلیف کیوں نہ ہوئی جب زخم لگا۔ حالانکہ موصولی خلئے NEURONS اور دماغ موجود تھے پھر دماغ نے درد یا تکلیف کی اطلاع کیوں نہ دی؟

ہمارا دماغ اور اعضاء سب ایک ساتھ کام کرتے ہیں پھر دماغ اعضاء کو حواس کے دیئے گئے حکم کی تعمیل کرنے کا کہتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب ذہن کی تمام تر توجہ ایک ہی نقطہ پر مرکوز ہو جاتی ہے ایسے میں اگر حواس کو کوئی پیغام پہنچانا ہے تو انہیں اس وقت تک انتظار کرنا پڑتا ہے جب تک ذہنی انہماک مذکورہ نقطے سے ہٹ نہ جائے۔

شہادت سے سرشار بندے کے ذہن کی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی جانب مرکوز ہوتی ہے۔ یہ انہماک اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ شعوری دنیا سے اس کا رابطہ معطل ہو کر لاشعور سے قائم ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اگر اس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیا جائے تو اسے احساس نہیں ہو گا کیونکہ اس کا ذہن نورانی دنیا میں منہمک ہوتا ہے اور اسے نورانی روشنیاں دکھائی دیتی ہیں۔

شہادت کی حقیقت کا ادراک حاصل کرنے کے لئے ایک چھوٹی سے مثال پر غور کیجئے۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں جب JOURNAL ANE.AS THESIA یعنی بے ہوش کرنے والی ادویات ایجاد نہیں ہوئی تھیں تو آپریشن کرنے کے لئے HYPNOSIS کے طریقے آزمائے جاتے تھے پنڈولم کی حرکت، مکالمے اور محوروں سے مریض کی توجہ جسم سے ہٹا دی جاتی تھی اور اس کا ذہن کہیں اور منتقل ہو جاتا۔ اس طرح آپریشن بغیر کسی تکلیف کے خوش اسلوبی سے ہو جاتا۔ یہ چند ناقص مثالیں ہیں جن سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ توجہ کا مرکز اگر اپنے جسم سے الگ ہو جائے تو جسم کو ہونے والی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔

ایسا شہید جو سچے دل سے اللہ کی راہ میں کوشش کرتا ہے اس کی توجہ کا مرکز اللہ کی ذات ہوتی

ہے۔ اللہ غیب الغیب ہے لہٰذا اس کا تعلق بھی غائب سے قائم ہو جاتا ہے۔ غیب میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات' انوار یا روشنیاں کام کر رہی ہیں اس لئے ایسا بندہ ان روشنیوں کو اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان مناظر میں اس کی توجہ اس قدر زیادہ ہو جاتی ہے کہ جسمانی نظام سے اس کا تعلق جزوی طور پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے شہید کو کسی قسم کی تکلیف' اذیت یا درد نہیں ہوتا۔

سب کچھ روشنی ہے

بات چاہے کوانٹم فزکس کی ہو' پیرا سائیکالوجی کی ہو یا روحانیت کی۔ آج کا انسان اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ زندگی کی بنیاد مادی نہیں بلکہ غیر مادی ہے اور زندگی کی اساس روشنی ہے۔ کوانٹم فزکس یہ نظریہ پیش کرتی ہے کہ انسان بیک وقت یا تو مادہ MATTER ہے یا لہر WAVE ہے۔ یہ نظریہ بہت پیچیدہ اور گنجلک ہے۔ سائنسدان شاید مادہ کو براہ راست روشنی یا لہر کہنے سے کتراتے ہیں کیونکہ اس سے انہیں مذہب کی خوبو آتی ہے۔ سائنسی نظریات کی رو سے یہ بات طے ہے کہ ہر شے روشنی یا لہر کے تانے بانے پر مشتمل ہے۔ آپ اس وقت جس کاغذ پر چھپے اس مضمون کا مطالعہ فرما رہے ہیں یہ کاغذ بھی دراصل ہزاروں لاکھوں ایٹموں سے مل کر بنا ہے۔ ہر ایٹم کے گرد الیکٹران روشنی کی رفتار سے گردش کر رہا ہے۔ چاہے آپ اس کاغذ کو بے جان اور غیر متحرک خیال کریں مگر اول تو اس کا ہر ذرہ گھوم رہا ہے۔ دوسرے ہر ذرہ (الیکٹران) بذات خود مادہ نہیں بلکہ لہر (روشنی) ہے۔ اسی کلیے کی رو سے انسان بھی روشنی ہے۔ دراصل روشنی ہی چلتی پھرتی ہے' روشنی ہی کھاتی پیتی ہے اور روشنی ہی جیتی یا مرتی ہے۔ انسان کو اگر مادہ کہا جائے تو یہ نظریہ اس وقت غلط ثابت ہوتا ہے جب ایک دن کا بچہ پانچ سال بعد اپنی پوری ہیت تبدیل کر چکا ہوتا ہے۔ یہی پانچ سالہ بچہ پچاس سال تک پہنچتے پہنچتے جانے کتنی مرتبہ اپنی شکل تبدیل کر چکا ہوتا ہے۔ مگر پچاس سالہ بوڑھا یہی بات کہتا ہے کہ ایک سال کا بچہ بھی میں تھا' پانچ سالہ بھی میں تھا' پچیس سال کا کڑیل جوان بھی میں تھا اور جھریوں بھرے چہرے کا حامل بھی میں ہوں۔ ان تمام مراحل میں اس کی باڈی کئی دفعہ پوری طرح تبدیل ہو گئی مگر ایک چیز ایسی ہے جو ہمیشہ ایک رہی۔ وہ ہے اس کے ہونے کا احساس' جسے آسان سے لفظوں میں "شعور" کہیں گے۔ انسان جب مادہ نہیں ہے تو وہ صرف شعور CONSCIOUS یا سوچ THINKING یا فکر THOUGHT ہے اپنے ہونے کا

احساس "فکر" ہے اور در حقیقت انسان ایک فکر کا نام ہے۔ نورانی دنیا سے نور کی ایک بیم دماغ کے پچھلے حصے پر وارد ہوتی ہے اس بہاؤ میں زندگی اور کائنات سے متعلق ہر قسم کی اطلاعات ہوتی ہیں اور یہی انسان کا SOURCE OF INFORMATION ہوتا ہے۔ ان اطلاعات میں چکھنا، سونگھنا، سننا، دیکھنا، محسوس کرنا، خیال کرنا اور وہم و گمان یہاں تک کہ زندگی کا ہر شعبہ، ہر حرکت، ہر کیفیت کامل طرزوں کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ انسان کے اس منبع خیالات SOURCE OF INFORMATION کو یونانی مفکرین نے "ذہن" کا نام۔ میگنیٹو تھراپی کے ماہر اور ہومیوپیتھ اسے ایتھر کا کارنامہ گردانتے ہیں۔ روحانی مفکرین اسے اللہ کا نور قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیت مبارکہ ہے۔

"اللہ زمین و آسمان کا نور ہے"

دنیا میں پیدا ہونے والا ہر شخص ایک خاص طرز کی "فکر" رکھتا ہے۔ انسانوں کو طرز فکر کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی طرز فکر وہ ہے جس میں بندے کا تعلق نورانی دنیا (غیب) اللہ اور اللہ کے نور سے قائم ہو جاتا ہے۔ اس طرز فکر کے حامل بندے میں اپنے SOURCE OF INFORMATION سے صحیح اور حقیقی اطلاعات وصول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اس طرز فکر کا حامل بندہ لطیف روشنیوں کو ان کی اصل حالت میں قبول کرتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ روشنیوں کو ماورائی طرزوں میں نہ تو تولا جائے کیونکہ سب کچھ روشنی ہے۔ انسان بھی، سوچ بھی اور اس کی فکر بھی۔ انسان چونکہ خود روشنی، خیال، سوچ یا شعور کا نام ہے لہٰذا وہ SOURCE OF INFORMATION سے بھی اطلاعات کو سوچ کی صورت میں وصول کرتا ہے۔

وہ طرز فکر جس سے ان روشنیوں میں بھاری پن، کثافت اور محدودیت آجاتی ہے وہ سوچنے کی دوسری طرز کہلاتی ہے۔ اس طرز میں انسان اطلاعات کو وصول کرنے میں بہت زیادہ کوتاہیاں کرتا ہے اور ان کو مسخ کر کے یا فلٹر کر کے حاصل کرتا ہے اس طرح اس کے باطن کی نورانیت ماند پڑنے لگتی ہے۔

پہلی طرز کے لوگوں کو دین نے مومن جبکہ دوسری طرز کے لوگوں کو دنیادار قرار دیا ہے۔ اہل

CamScanner

روحانیت پہلی طرز کو پیغمبرانہ یا رحمانی طرز فکر کہتے ہیں جبکہ دوسری قسم کو شیطانی طرز فکر قرار دیتے ہیں۔

ابھی ہم نے عرض کیا کہ انسان سوچ کا دوسرا نام ہے۔ اب اگر یہ سوچ مادے سے وابستہ ہے جو بالحقیقت مفروضہ FICTION ہے' تو یہ سوچ مادی اجسام ہی سے چپک جاتی ہے۔ ایسے شخص کی ذاتی اغراض (جنہیں سوچ ہی کہا جائے گا) اس کے اندر اتنی کثافت اور بھاری پن پیدا کر دیتی ہے کہ موت اس کے لئے شدید اذیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ وہ دوسری دنیا سے واقف نہیں ہوتا اور وہاں جانے پر خوشدلی سے رضامند نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے الہامی مذاہب اور الہامی کتابوں نے غیب پر ایمان (یقین) لانے کی ہدایت کی ہے۔ ایسے لوگ موت کے وقت سخت اذیت کا شکار ہوتے ہیں اور دوسری دنیا میں بھی اسی اذیت میں مبتلا رہتے ہیں۔ بعض لوگوں کو موت کی تکلیف اسی وجہ سے محسوس ہوتی ہے۔

قرآن مجید نے موت کو ذائقہ قرار دیا ہے۔ ذائقے کا تعلق حس سے ہے اس لئے موت ایک ایسا احساس ہے کہ اگر اپنی غلط طرز فکر سے بندہ مادیت کے زون میں ہی قید رہا ہے تو طرز فکر کی یہ کڑواہٹ ذائقتہ الموت بن جاتی ہے اور اگر پیغمبرانہ طرز فکر ہے تو موت ایک پرکیف احساس ثابت ہوتی ہے۔ شیطانی طرز فکر کے حامل ایسے ہی افراد جو اپنی شامت اعمال اور سیاہ کاریوں کے ریکارڈ کی وجہ سے افسردہ اور غمگین تھے' ان کا حال NDE سے حاصل کرتے ہیں۔

AFTER LIFE REFLECION ON LIFE کے ایک کیس میں ایک صاحب کا بیان ملاحظہ کیجئے۔

''میں نے دیکھا ان کا سر نیچے کی طرف جھکا ہوا تھا۔ وہ بہت غمگین اور افسردہ نظر آتے تھے ان کے رنگ اڑے ہوئے تھے' بالکل ست تھے اور مٹیالے نظر آتے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ خلا میں چکر لگا رہے ہیں اور انہیں پتہ نہیں کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ وہ ایک طرف کو چلنا شروع کرتے پھر بائیں کو مڑ جاتے۔ چند قدم چلتے پھر دائیں کو مڑ جاتے ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ اپنے بارے میں بھی کوئی علم نہیں رکھتے کہ وہ کون اور کیا ہیں''

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جب مومن کی موت آتی ہے تو وہ موت ایسی

ہوتی ہے جیسے آٹے میں سے دھاگہ نکالتے ہیں اور جب دنیا دار کی موت آتی ہے تو وہ موت ایسی ہوتی ہے جیسے کسی کپڑے کو بیری پر سے کھینچا جائے اور وہ پھر اچلا جائے۔"

یعنی مومن چونکہ روشنیوں کے منبع کی طرف جانا چاہتا ہے اس لئے اس کی دبی ہوئی آرزو ہوتی ہے کہ جلد از جلد مادے کی چپک سے آزادی مل جائے یا یوں کہئے کہ جو شخص ادنیٰ شعور سے اگلے اور اعلیٰ شعور میں پہنچنا چاہتا ہے اس کے لئے موت ایسا ذائقہ ثابت ہوتی ہے کہ فرحت و سکون کے جذبات سے معمور ہو جاتا ہے مگر جو شعور مادے سے نکلنا نہیں چاہتا اس کے لئے موت شدید اذیت ثابت ہوتی ہے۔ عالم ناسوت کی بھٹکی ہوئی روحیں دراصل عالم اعراف (روشنیوں کے عالم) میں اس لئے نہیں پہنچ پاتیں کہ وہ مادی زون سے نکلنا نہیں چاہتیں۔ ایسی صورت میں موت کے فرشتوں اور ملک الموت کو اس کی تکلیف' اذیت اور غم کا ذمہ دار قرار دینا گمراہی ہے کیونکہ مادیت میں چپک کا ذمہ دار وہ شخص خود ہی ہے۔

خود کشی

موت کی اس طرز یعنی خود کشی پر موت کی دوسری اقسام مثلاً "شہادت' طبعی اور حادثاتی موت کے ساتھ تبادلہ خیال کیا جانا چاہئے تھا مگر چونکہ ہم نے "طرز فکر" کے حوالے سے بات نہیں کی تھی اس لئے موضوع بحث کا تسلسل قائم نہیں رہتا۔ ہم جانتے ہیں کہ انسان ایک شعور کا نام ہے۔ ہمارے دماغ میں اربوں تخلیقی صلاحیتوں کے حامل سیلز غیر استعمال شدہ حالت میں پڑے رہتے ہیں۔ اگر ہم ان کو استعمال کر سکیں تو نہ صرف موت کی پر سرور کیفیات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں بلکہ موت کے بعد کے نورانی دنیا کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ ہمارا شعور مادی دنیا میں جس قدر وسعت کا حامل ہوتا ہے اسی قدر نورانی دنیا میں شعور منتقل ہو جاتا ہے بالفرض اگر ایک شخص اپنے تخلیقی صلاحیتوں کے حامل سیلز کو چارج کرنا شروع کر دے اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو جائے تو عالم اعراف میں بھی وہ اپنی کوشش جاری رکھتا ہے چونکہ تخلیقی صلاحیتوں کا تعلق بھی شعور سے ہے اسی طرح منافقانہ' شیطانی' سفلی اور مایوسی کی کیفیات بھی شعور سے خالی نہیں ہیں لہٰذا جس طرح تخلیقی صلاحیتوں کی ابتدا اگلے زون میں تخلیقی کامیابیوں کے دروازے کھول دیتی ہے اسی طرح مایوسی اور شیطانی طرز فکر بھی وہاں مزید بڑھ جاتی ہے۔

CamScanner

رسول کریم ﷺ نے فرمایا "دنیا آخرت کی کھیتی ہے" یعنی اگر ہم نے اس دنیا میں مایوسی کا بیج بو دیا تو مرنے کے بعد وہ ایک تناور درخت بن جاتا ہے اسی طرح جس نے نیکی، اچھائی اور پیغمبرانہ طرزِ فکر کا بیج بو دیا تو ایک لامحدود خوشی اور سرور وہاں اس کا منتظر ہوتا ہے۔

خودکشی کے جتنے بھی واقعات ہم دیکھتے ہیں ان میں اکثریت ایسی اموات کی ہوتی ہے جو سخت مایوسی کی حالت میں کی جاتی ہیں۔ اس طرح یہ مایوسی ایک ریکارڈ بن جاتی ہے اور اس ریکارڈ کو جب وہ بار بار دیکھتا ہے تو مایوسی مزید بڑھ جاتی ہے رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ "اگر خودکشی کرنے والے نے پہاڑ سے گر کر خودکشی کی تھی تو وہ آخرت میں بار بار اسی طرح پہاڑ سے گرتا رہتا ہے۔" یہ بھی اسی ریکارڈ یا فلم کی جانب اشارہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ کسی بھی مذہب میں موت کے وقت ایک ماورائی ہستی سے ملاقات کے لئے کلمات، مکالمات اور منتروں وغیرہ پر زور دراصل اسی وجہ سے دیا جاتا ہے کہ موت سے ہمکنار شخص امید و تسکین کی حالت میں موت کو گلے لگائے۔ اس طرح یہ کیفیت اس کے شعور پر نقش ہو جاتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مختلف مذاہب میں ماورا ہستی کے نام مختلف ہیں۔ کوئی اسے اللہ، کوئی بھگوان و پرمیشور اور کوئی GOD کہتا ہے۔ بہرحال مقصد سب کا یہی ہوتا ہے کہ مرتے وقت شعور پر مایوسی کے بجائے امید اور طلب مرتسم ہو۔ اسلامی تعلیمات میں موت سے قریب شخص کو کلمہ طیبہ پڑھانے کی تلقین بھی اسی مقصد کے لئے کی گئی ہے اور موت کے وقت کو قیمتی بھی اسی لئے قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح مایوسی کو کفر بھی کہا گیا ہے۔ کفر کے معنی پردہ اور چھپانے کے ہیں۔ لہٰذا موت کے وقت مایوسی شعور پر ایسا پردہ حائل کر دیتی ہے کہ اسے اپنی محدود ذات سے باہر دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اسی لئے خودکشی کو حرام اور خلاف فطرت قرار دیا گیا ہے۔

اس مرتبہ ہم نے موت کی تکلیف یا ابدی سکون اور موت کی اقسام پر گفتگو کی۔ اگلے ماہ ہم "موت کا ذائقہ" کی آخری قسط میں ان امور کا جائزہ لیں گے کہ آیا موت کی کیفیت کا حصول زندگی میں ممکن ہے؟ موت کے حوالے سے ہمارے ہاں کون کون سے باطل تصورات موجود ہیں اور ہم کس طرح موت کی لذت کو زندگی میں حاصل کر سکتے ہیں۔ (جاری ہے)

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

عقیدہ توحید اور کردار کی تشکیل

"ہمارے سلسلہ کی بنیاد توحید ہے اور ہمارا مقصد اور ہمارے سلوک کی آخری منزل ذات باری تعالیٰ کا قرب اور دیدار ہے۔ یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس عمارت کی بنیاد ہی کمزور یا غلط ہو گی وہ عمارت کبھی مضبوط نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ کسی شاعر نے کس قدر سچ کہا ہے کہ

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اسی لئے میں آپ سے یہی کہا کرتا ہوں کہ توحید کو بدرجہ کمال حاصل کرو اور پکے اور سچے توحیدی بنو۔ تب تمہارے اذکار و اعمال میں وہ طاقت پیدا ہو گی جو اللہ تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے۔ صرف زبان سے کہہ دینا کہ ہم توحیدی ہیں اور اپنے نام کے بعد توحیدی لکھ کر فخر سے سر اونچا کر لینا ہرگز کافی نہیں بلکہ محض مذاق ہے۔ ایک توحیدی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سوائے خدا کے نہ تو کسی سے ڈرے، نہ کسی کے سامنے سر جھکائے، نہ کسی سے مدد مانگے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ تم دنیا سے تعلق قطع کر کے رہبانیت اختیار کر لو اور اسباب و وسائل سے کام لینا چھوڑ دو۔ یاد رکھو کہ ترک وسائل اسلام میں قطعاً ناجائز ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ اگر تم کو ایسے دشمن سے واسطہ پڑ جائے جو تمہاری دانست میں زیادہ قوی ہو اور تمہاری جان و مال کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے تو بھی تم اس سے ہرگز نہ ڈرو۔ خدا پر یقینی طور پر بھروسہ رکھو۔ وہ تمہاری مدد کرے گا اور بے فکر ہو کر اس کا مقابلہ کرو، یقیناً تم فتح یاب ہو گے۔ اسی طرح مفلسی اور ناداری میں بھوک اور فاقہ کا خطرہ ہو اور بظاہر کوئی سامان اور سبب تم کو اس مصیبت سے بچانے کا نظر نہ آتا ہو، تب بھی ایک توحیدی کو مطلق ڈرنا نہیں چاہئے بلکہ خدا پر بھروسہ اور یقین رکھنا چاہئے کہ وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اگر تم واقعی توحیدی ہو اور خدا پر اٹل ایمان رکھتے ہو تو یقیناً مدد آئے گی اور

کسی ایسے گوشے سے آئے گی جس کا تم کو وہم و گمان بھی نہ ہو گا" (چراغ راہ آخری خطبہ)

"ایک توحیدی کہیں بھی کسی بھی حال میں ہو، سوائے خدا کے نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ کسی سے مدد چاہتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خدا کے بنائے اور بتائے ہوئے وسائل سے کام لینا ترک کر دیتا ہے بلکہ ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرنے کے بعد بھی اگر ناکام ہو جاتا ہے۔ تب بھی ہمت نہیں ہارتا، اور مایوس نہیں ہوتا بلکہ خوش ہی رہتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ سورۃ البقرہ کی آیت 216 کی طرف رجوع کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "عجب نہیں کہ ایک چیز تم اپنے لئے پسند کرو لیکن حقیقت میں وہ تمہارے لئے مضر ہو، اللہ بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔ یہ آیت اس کو بے انتہا سکون اور قلبی طاقت عطا فرماتی ہے۔ اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ اگر میری کوشش کامیاب ہو جاتی ہے تو انجام کار وہ میرے لئے مفید ہونے کی بجائے انتہائی تکلیف دہ اور ممکن ہے، تباہ کن ثابت ہوتی۔ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ "تم پر جو مصیبت آنے والی ہے وہ ہم نے پہلے ہی تمہارے نام لکھ دی ہے" (الحدید 22)" اس آیت سے تم کو ذہنی اور قلبی تقویت ملنی چاہئے کہ جب اللہ نے یہ مصیبت ہمارے نام پہلے ہی لکھ دی ہے تو اس پر گھبرانا، رنج کرنا یا مایوس ہونا انتہائی ناشکری، کفران نعمت بلکہ ایک قسم کی بغاوت ہے۔ اگر تم آنے والی مصیبتوں کو نعمت سمجھ لو تو تم کو دائمی مسرت جیسی نعمت حاصل ہو جائے گی جو کروڑوں اور اربوں روپے میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ سالکان راہ خدا کا تجربہ ہے کہ جس قدر کسی کو تکلیف ہوتی ہے اسی قدر اس کا قلبی تعلق خدا سے زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ قرب اور لقائے باری تعالیٰ کے حصول میں جس قدر مدد اس سے ملتی ہے وہ کسی اور ریاضت اور عبادت سے نہیں ملتی۔ اب خود سوچئے کہ لقاء اور قرب خداوندی سے زیادہ بڑی نعمت اور کون سی ہو سکتی ہے اور یہی وہ تکمیل نعمت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"۔ (چراغ راہ، آخری خطبہ)

برادران کرام! بانی سلسلہؒ نے ایک توحیدی کے لئے جس مثالی کردار اور تسلیم و رضا کے معیار کا ذکر بار بار فرمایا ہے اس سے آپ کو گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ قوت ارادی کو مضبوط اور حوصلوں

کو بلند رکھنے کا عزم کرنا چاہئے کیونکہ آزمائشیں ہی پکی دوستی کو جنم دیتی ہیں۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ امتحانات فیل ہونے کے لئے نہیں بلکہ صلاحیت جانچنے اور اگلے درجوں میں ترقی دینے کے لیے لئے جاتے ہیں۔ جو طالبان حق مقربین میں شامل ہونا چاہتے ہیں ان کو بہرحال ان تنگ گھاٹیوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے جن کی طلب صادق ہوتی ہے وہ راہ کی کسی دشواری کو خاطر میں نہیں لاتے اور اللہ کے قرب و دیدار کی منزل کی طرف بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اللہ کی رحمت اپنے پر خلوص بندوں اور محبت کے پروانوں کی خود رہنمائی اور دستگیری فرماتی ہے اور وہ اپنی مراد حاصل کر لیتے ہیں ہمارے ہادی و محسن نے دسویں خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

"برادران حلقہ! آپ سب اللہ کے فضل و کرم سے توحیدی ہیں۔ آپ کو سختی سے اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ صرف نام ہی کے توحیدی تو نہیں، سچ مچ کے توحیدی ہیں۔ توحید میں اتنی طاقت ہے کہ اگر کوئی شخص واقعی توحیدی ہے تو خواہ اس اکیلے کے سامنے دنیا کی ہزار بلائیں موجود ہوں، شیر منہ کھولے دھاڑتے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہے ہوں، ہزاروں کفار کا لشکر حملہ کر رہا ہو، سر پر ایٹم بم لئے ہوائی جہاز چکر لگا رہے ہوں۔ اس کے پائے اثبات میں ذرا بھی تزلزل نہ آئے گا۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ توحیدی کسی سے نہیں ڈرتا (نہ ہی وہ موت سے ڈرتا ہے) مگر یاد رکھو کہ کسی سے نہ ڈرنے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ لوگوں کے ساتھ بدتمیزی اور سختی و درشتی سے پیش آؤ۔ یاد رکھو اللہ کو دیکھنے کے لئے اس کے راستے میں پہلا قدم وہ رکھ سکتا ہے جو پکا توحیدی ہو"۔ (چراغ راہ دسواں خطبہ)

اجتماعی اصلاح کی اہمیت اور روحانیت

بانی سلسلہ" اعلیٰ روحانی مراتب اور بزرگی حاصل کر لینے کے بعد اجتماعی اصلاح اور خدمت خلق کو مقصود اعظم قرار دیتے تھے۔ آپ نے صوفیاء اور علماء کے طریق اصلاح کا فرق بیان کرتے ہوئے دوسرے خطبے میں ارشاد فرمایا۔

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان کامل بن جاتا ہے تو پھر اس کا کیا کام ہوتا ہے؟ اس

کا کام بھی یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کی اصلاح کرے۔ ان کو اللہ کا سیدھا راستہ بتائے' اس پر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب علماء اور صوفیاء دونوں ہی کا کام اصلاح اور اخلاق کی درستی ہے تو عالم بن جانا ہی کافی ہے۔ اس قدر پاپڑ بیلنے اور ریاضت اور مجاہدہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ علماء صاحب قال ہوتے ہیں اور صوفی صاحب حال۔ علماء کے کہنے کا دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن صوفی اگر واقعی کامل ہو تو اس کے کہنے کا اثر بہت جلدی ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں صوفی کے دل میں ایک طاقت ہوتی ہے۔ وہ اس طاقت کو جس کے دل پر ڈال کر قوت ارادی سے کام لیتا ہے۔ اس کی کیفیات کو رفتہ رفتہ بدل سکتا ہے اور اس کے دل میں جو زنگ ہوتا ہے اس کو آہستہ آہستہ دور کر دیتا ہے۔ اس طرح انسان رفتہ رفتہ بد سے نیک اور شقی سے سعید بن جاتا ہے۔ اب اس سے زیادہ اچھا کام اور کیا ہو سکتا ہے کہ معاشرہ کو برے آدمیوں اور برائیوں سے پاک کر کے اس میں نیک کاموں کا اضافہ کیا جائے۔ انبیاء کا کام بھی یہی تھا اور جو بزرگ یہ کام کرتے ہیں صحیح معنوں میں وہی انبیاء کے وارث اور نائب کہلانے کے مستحق ہیں"۔

قلوب کی اصلاح کے متعلق بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خیالات کی توثیق حکیم الامتؒ کی "ضرب کلیم" میں شامل "تعلیم" کے عنوان سے لکھی گئی ایک نظم سے بھی ہوتی ہے۔ علامہؒ کے نزدیک انسان سازی اور آدم گری اہل علم کا نہیں بلکہ اہل نظر کا کام ہے۔ دلوں کی اصلاح اہل دل ہی کر سکتے ہیں جو اپنی روحانی توجہ سے دلوں میں اللہ کی محبت کی جوت جگا کر حقیقی اصلاح کی بنیاد رکھ دیتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے پیار کی لذت کے سامنے دوسری تمام لذات ہیچ ہو جاتی ہیں اور انسان ان کی گرفت سے نکلنے پر آسانی سے قادر ہو جاتا ہے۔ علامہؒ کی نظم یہ ہے۔

زندگی کچھ اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوز جگر ہے علم ہے سوز دماغ
علم میں دولت بھی ہے قدرت بھی ہے لذت بھی ہے

ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ
اہل دانش عام ہیں' کمیاب ہیں اہل نظر
کیا تعجب ہے کہ خالی رہ گیا تیرا ایاغ
شیخ مکتب کے طریقوں سے کشاد دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

اسی طرح اپنے تیسرے خطبے میں ارشاد فرمایا۔

"اس میں شک نہیں کہ اولیائے کرام کی توجہ اور دعا سے لوگوں کو ہر طرح کے فائدے پہنچتے اور بہت سے بگڑے ہوئے کام بن جاتے ہیں لیکن یہ بزرگ ان انفرادی فوائد کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ اصل کام وہ جو اس طاقت سے لیتے ہیں وہ اجتماعی اصلاح ہے اور صحیح معنوں میں بنی نوع انسان کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے۔ تمام پیغمبر بھی اسی غرض سے بھیجے گئے تھے۔ انفرادی طور پر لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے نہیں بھیجے گئے۔ ہمارے آقائے محترم رسول اکرم ﷺ جب تشریف لائے تو سارا عرب جہالت' جدال و قتال اور مفلسی کے گھنگھور طوفانوں میں گھرا ہوا تھا۔ مگر حضور ﷺ نے ان کا افلاس دور کرنے کے لئے نہ تو پارس پتھری دی' نہ کیمیا کا نسخہ بتایا۔ نہ دست غیب کا علم سکھایا بلکہ اجتماعی طور پر ان کی تہذیب و اصلاح کی کوشش کی"۔

نیا سلسلہ کیوں بنایا گیا

یہ موضوع نہایت ہی اہم ہے کیونکہ اس کا تعلق سلسلہ توحیدیہ کے بنیادی ہدف سے ہے۔ سلسلہ کے اغراض و مقاصد معلوم ہونے پر ہی ہم اپنی جدوجہد کی سمت متعین کر سکتے ہیں۔ اس کی تشریح سے وہ فرائض نکھر کر سامنے آجائیں گے جو توحیدی ہونے کے ناطے ہم پر عائد ہوتے ہیں۔ بانی سلسلہؒ نے آٹھویں خطبے میں تحریر فرمایا ہے۔

"قوم کے عروج و زوال بلکہ زندگی اور موت کے ذمہ دار تو اعلیٰ طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ دیانت داری' محنت اور خلوص سے محض ملک و قوم کے فائدے کے لئے کام کریں تو وہ قوم کبھی

CamScanner

ذلیل و خوار نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب خود یہی لوگ بد دیانت' راشی' بد چلن' بد خلق اور مفاد پرست ہوں تو پھر قوم کا خدا ہی حافظ و ناصر ہے۔ اگر یہ آج نہیں ڈوبا تو کل ڈوبے گا۔ میں نے آج (1972) سے پورے ساٹھ سال پہلے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ ہماری قوم بڑی تیزی سے تباہی اور زوال کے غار کی طرف رواں دواں ہے۔ اسی زمانہ سے میں دنیا کی مختلف قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں تاریخ میں پڑھتا رہا۔ پھر مدتوں اس بات پر غور کیا کہ قومیں کن وجوہات کی بنا پر بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کی اصلاح و ترقی اور احیاء ثانیہ کے لئے جتنی جماعتیں وجود میں آئیں ان کی تنظیم' مساعی اور طریق کار کا مطالعہ بہ نظر غائر کیا اور ان کی ناکامی کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی۔ پورے تیس سال کی جدوجہد اور کدوکاوش کے بعد میں تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہم مسلمان خواہ وہ کسی بھی ملک کے ہوں' مومن نہیں ہیں۔ صرف مسلمان ہیں اور مسلمان بھی نام کے۔ 90 فیصد مسلمان تو قرآن حکیم کی تعلیم ہی سے واقف نہیں۔ اس پر عمل کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم قرآن کریم کی بجائے رسوم پرستی کو اسلام سمجھ رہے ہیں۔ ہم نے فرائض کو بھلا دیا ہے اور فروعات کو فرائض سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ہم نماز اول تو پڑھتے ہی نہیں اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو یہ کبھی نہیں سوچتے کہ ہماری نمازوں سے ہمارے اخلاق کی کہاں تک اصلاح ہوئی ہے۔ ہم نے کون کون سی برائیوں کو چھوڑا اور کون کون سی نیکیوں کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ خدا نے تو نماز کی یہی تعریف کی ہے کہ نماز برائیوں اور ممنوعہ کاموں سے بچاتی اور نیک بناتی ہے۔ اس کے علاوہ ہم کبھی غور نہیں کرتے کہ ہماری نماز میں خشوع و خضوع اور حضوری باری تعالیٰ کہاں تک تھی۔ اگر نماز سے یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے تو وہ کیا خاک نماز ہے؟ وہ تو ایک رسم ہے' محض رسم جو پانچ وقت ادا کر لی جاتی ہے۔ یہی حال دوسری عبادات کا ہے کہ محض رسماً ادا کر لی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ میں نے دیکھا کہ علمائے کرام میں جو لوگ واقعی متقی اور پرہیزگار ہیں ان کی باتوں میں بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ان کی تقریر کے دوران لوگ ہنستے بھی ہیں اور ان کے دل میں اصلاح کا ولولہ بھی اٹھتا ہے لیکن جلسہ گاہ سے نکلتے ہی وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ پھر میرا خیال ان صوفیاء کرام

کی طرف گیا جو بخارا، ایران اور عراق سے چل کر اکیلے یا دو چار مریدوں کے ساتھ بالکل بے سروسامان انڈونیشیا، چین اور ترکستان یا ہندوستان آئے اور کسی شہر میں مقیم ہو کر خاموشی سے تبلیغ اسلام کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں آدمیوں کو مسلمان بنا لیا۔ مدتوں ان کی زندگی اور ان کے اخلاق کا تجزیہ کرنے اور موجودہ سچے صوفیوں اور پھر خود اپنی حالت پر غور کرنے کے بعد مجھ پر یہ راز کھلا کہ ان بزرگوں کے پاس دو چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ان کے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں کو موہ لیتی ہیں اور ان کی ذات کا والہ و شیدا بنا دیتی ہیں۔ ان میں سے ایک تو ان کا اخلاق ہے اور دوسری چیز جو اخلاق سے بھی زیادہ موثر اور طاقتور ہے وہ روحانی طاقت ہے جو حرارت یا سوز و گداز کی صورت میں ان کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس سے بات کرتے ہیں نہایت غور سے ان کی بات سنتا اور جو کچھ کہتے ہیں اس پر بے چون و چرا عمل کرنے لگتے ہیں۔ یہ بات معلوم ہو جانے کے بعد میں نے خود اس کے تجربے کئے تو سو فیصد درست پائے۔ اب میں نے "حلقہ توحیدیہ" کی بنیاد ڈالی اور غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی بجائے خود مسلمانوں کے اخلاق کی اصلاح شروع کر دی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ میری محنت رایگاں نہیں گئی"۔

آپ ؒ نے 1963ء میں لاہور میں منعقد ہونے والے پانچویں سالانہ اجتماع میں اپنے دوسرے خطبے کے آخر میں ارشاد فرمایا۔

"میں نے خطبہ کے شروع میں کہا تھا کہ میں آپ کو بتاؤں گا کہ میں نے یہ نیا سلسلہ کس غرض سے قائم کیا ہے اور میں کیا چاہتا ہوں۔ تو اب میں بتاتا ہوں کہ میں آپ کو صحوی تصوف سکھانا اور انسان کامل بنانا چاہتا ہوں۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ حقائق کو چھوڑ کر کوائف میں کھو جائیں۔ دنیا کا کوئی کام نہ کریں۔ توکل کی چادر اوڑھے شراب معرفت کے نشہ میں مست پڑے کرامتیں دکھایا کریں۔ میں جس راستہ پر آپ کو چلانا چاہتا ہوں وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مختار ﷺ کے نقش قدم پر جاتا ہے جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ملا لو۔ اگر میں کہیں غلطی پر ہوں تو مجھے آگاہ کر دو۔ میں اپنے طریقے میں بڑی خوشی سے ترمیم کر لوں گا۔ جو

CamScanner

لوگ اس راستہ پر چلنا نہیں چاہتے ان کو چاہئے کہ حلقہ سے الگ ہو جائیں اور کسی ایسے سلسلہ میں شریک ہو جائیں جو ان کی خواہش اور مرضی کے مطابق ہو"۔

اسی طرح مرشد کامل نے اپنے نویں خطبہ میں عالم اسلام کی بے حسی کا سبب اور مردہ دلی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"آخر یہ سب کچھ کیوں ہے ؟اس لئے اور محض اس لئے کہ توحید کی تعلیم غائب ہو چکی ہے اور اس کی جگہ غیراللہ پرستی نے لے لی ہے۔ برادران حلقہ یہ کام آپ نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے کہ توحید کی تعلیم کو پھر زندہ کریں اور اگر تمام عالم اسلام میں نہیں تو کم از کم پاکستانی مسلمانوں کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق کی آگ کو اس طرح بھڑکائیں کہ غیراللہ پرستیاں سب کی سب جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جائیں۔ آپ کے سامنے ایک بہت بڑا کام ہے۔ اس کو معمولی کام نہ سمجھئے۔ یہ کام لوگوں کے مشرکانہ عقائد کی اصلاح کا کام ہے اور ہر انسان اپنے عقائد کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے اور اصلاح کرنے والوں کی جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ قدم قدم پر مقابلہ کرتا اور رکاوٹیں ڈالتا ہے۔ اچھی طرح یاد رکھئے کہ آپ کو صرف عقائد ہی کی اصلاح نہیں کرنی بلکہ ان بیہودہ فرسودہ رسوم کو بھی مٹانا ہے جو ہمارے معاشرہ کو گھن کی طرح کھائے جارہی ہیں"

روحانی طاقت سے اصلاح کا طریق کار

"برادران حلقہ! آپ کو اصلاح کا کام کرنا ہے اس لئے اپنے حلقہ کی تعلیم کے مطابق غصہ بالکل نفی کر دو۔ قلب میں پاس انفاس کے ذریعہ روحانی طاقت کو بڑھاؤ۔ پھر دیکھو کہ تم کتنی جلدی کامیاب ہوتے ہو۔ اصلاح کرنے والوں کے لئے اپنی زبان پر قابو رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ "اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور حسین الفاظ میں نصیحت کر کے بلاؤ"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی تم اصلاح کرنا چاہتے ہو اس کو اس کے کسی عیب کی وجہ سے ہرگز برا نہ کہو۔ بلکہ اس سے محبت اور شفقت سے پیش آؤ اور کوشش کرو کہ وہ تمہارا دوست بن جائے اور بار بار تمہارے پاس آنے لگے۔ (جس طرح ایک ڈاکٹر

بیماری سے نفرت کرتا ہے لیکن بیمار کا ہمدرد ہوتا ہے۔ اس طرح اصلاح کرنے والوں کو برائی سے تو نفرت ہونی چاہئے لیکن برے آدمی سے ہرگز نہیں۔ اس پر تو دل رحم آنا چاہئے کہ بیچارا غفلت کی وجہ سے اپنی عاقبت برباد کر رہا ہے) اس کے علاوہ اصلاح کے لئے بھی کسی پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرو۔ اس کا ہر عیب اور ہر زیادتی برداشت کرو۔ بحث ہرگز نہ کرو۔ بحث سے سوائے تضیع اوقات کے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ یوں دلوں میں کدورت آجاتی ہے۔ اگر کوئی شخص بحث کرنے پر بہت ہی مصر ہو تو جیسا کہ میں پہلے بھی کسی خطبہ میں بتا چکا ہوں اس سے نہایت عاجزی سے معافی مانگو اور کہہ دو کہ "ہمارے مسلک میں بحث قطعاً منع ہے۔ آپ اپنے مسلک پر چلتے رہیں' ہم خوش ہمارا خدا خوش۔ لیکن ہم کو ہمارے مسلک پر چلنے دو۔ آؤ باوجود ازیں ہم آپس میں دوست رہیں۔ یہ سب فروعی باتیں ہیں اس کے لئے دلوں میں عناد کیوں پیدا کیا جائے"۔ مگر یہ تم اسی وقت کہہ اور کر سکو گے جب کہ تم نے غصہ اچھی طرح نفی کر دیا ہو اور قوت برداشت بدرجہ اتم پیدا ہو گئی ہو۔ ہمارے حلقہ کی تعلیم کے مطابق اصلاح کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ تم لوگوں سے نہایت محبت اور خلوص سے پیش آؤ۔ ظاہری اور بناوٹی محبت نہیں' حقیقی محبت کرو جیسا کہ تم کو بتایا اور سکھایا گیا ہے۔ عالمگیر محبت کو اپنا شعار بناؤ۔ اس لئے جس سے بھی ملو' حقیقی محبت کے جذبہ سے ملو۔ اگر کبھی ضرورت پڑے اور تم کو توفیق ہو تو چھوٹی موٹی کوئی خدمت لوگوں کی کر دیا کرو۔ اور دل میں یہ خواہش پیدا کرو کہ اس شخص کی اصلاح ہو جائے۔ اگر تم دل سے ایسا چاہو گے تو تمہارے قلب سے جو لہریں نکلیں گی اس کے دماغ کو متاثر کئے بغیر نہ رہیں گی۔ وہ رفتہ رفتہ تمہاری ہر بات ماننے لگے گا اور اس طرح اس کی اصلاح ہو جائے گی۔ اصلاح ہمیشہ اللہ کے واسطے کرنی چاہئے۔ تمہاری اپنی ذاتی غرض اس سے وابستہ نہ ہو۔ یعنی اس کام میں ذاتی مفاد یا اپنی فضیلت و بڑائی کا رائی برابر خیال دل میں نہ ہو۔ محض خداوند قدوس کے لئے اور امت اسلامیہ کی بہتری اور بہبود کے لئے کیا جائے"۔ (چراغ راہ نواں خطبہ)

"اخلاق حسنہ پیدا کرنے کے لئے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ تمام مخلوق خدا کے ساتھ ایک

عالمگیر محبت کا جذبہ پیدا کرو اور اپنے دل و دماغ اور روح کو محبت کے رنگ میں رنگ لو۔ اگر تم ولی اللہ بننا چاہتے ہو' اور اگر تمہاری خواہش ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ محبت کرے تو ضروری ہے کہ تم اس کی مخلوق سے محبت کرو۔ مجنوں تو لیلیٰ کے کتے سے بھی محبت کرتا تھا۔ تم کیسے محب ہو کہ اپنے محبوب کی مخلوق سے بھی محبت نہیں کرتے"۔ (طریقت توحیدیہ صفحہ 56-55)

"آج کی صحبت میں مجھے آپ سے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ خلوص و محبت کے ساتھ حلقہ کی تعلیم پر پوری پابندی سے عمل کرتے ہوئے پہلے کی نسبت اور زیادہ شوق اور جوش سے عمل کرو۔ عمل کرو اور عمل کرتے رہو۔ اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی اصلاح کرو۔ دنیوی ترقی کے لئے نئی نئی راہیں نکالو اور ان پر عمل کرو۔ خلق خدا کی خدمت کرو۔ سب کے ساتھ محبت سے پیش آؤ۔ کتنی ہی تکلیفیں اور مصیبتیں آن پڑیں مایوس اور اداس مت ہو۔ ہمت نہ ہارو' ہمیشہ خوش رہا کرو' دل میں اللہ کو بسائے رکھو اور ہاتھ' پاؤں' آنکھوں' کانوں اور زبان کو خدمت خلق میں لگائے رکھو۔ یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے۔

مرتے دم تک کام کرتے رہو اور خدا کی یاد میں مرجاؤ۔ تمہیں کیا خبر یہ کتنا بڑا کام ہے اور مرنے کے بعد اس کا کیا انعام ملے گا۔ اب میں آپ سے صرف ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ آج تک آپ کو جو کچھ بتایا جاچکا ہے وہ سب قرآن اور احادیث رسول کریم ﷺ سے ہے۔ میری اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر آپ کا ایمان کامل ہے تو آپ ان باتوں کو افسانہ یا کہانی نہ سمجھیں گے بلکہ ٹھوس حقیقت جان کر ان پر عمل کریں گے بشرطیکہ اپنی بہبودی اور بہتری کے دل سے طالب ہوں اور دین و دنیا کی نعمتوں سے اپنی جھولیاں بھرنا چاہتے ہوں۔ اگر آپ ان پر ایمان کامل رکھتے ہوئے بھی عمل نہ کریں تو پھر آپ سے زیادہ بد قسمت اور کون ہو سکتا ہے"۔ (چراغ راہ ساتواں خطبہ)

CamScanner

انسان بحضور ذات کبریا

عبدالرشید ساہی

شعر نمبر1

گیسوئے تاب دار کو اور بھی تاب دار کر
ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں اے خدا، رب کریم تو اپنی تجلیات حسن اس شدت کے ساتھ مجھے دکھا کہ میں ان کے جلوؤں میں غرق ہو کر ماسوئی سے بیگانہ ہو جاؤں یعنی مجھے اپنی محبت عطا کر اور اپنی محبت میں ایسا مقام عطا فرما کہ میں عقل اور وجدان دونوں کو تیری یاد میں فنا کر دوں نہ اپنی عقل پر بھروسہ کروں نہ اپنے وجدان پر بلکہ تیری یاد میں دنیا اور مافیہا سے بے خبر ہو جاؤں

دل میں ہو یاد تیری گوشہ تنہائی ہو

مجاز کی محبت میں گرفتار ہو کر بلاشبہ انسانی عقل و خرد سے بیگانہ ہو کر انسانیت کے مقام سے گر جاتا ہے لیکن خدا کی محبت میں دیوانہ ہو کر حقیقی معنوں میں فرزانہ ہو جاتا ہے۔ عشق الٰہی میں غرق ہو کر ہی ایک انسان خلافت ارضی کے منصب کو پا سکتا ہے اور اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں مومن جب دیکھتا ہے تو خدا کی بصیرت سے دیکھتا ہے اس جدید ترین سائنسی دور میں بھی کوئی ایسا آلہ نہیں بنا جو کہ خدائی بصیرت کو ناپ تول سکے باقی تمام کائنات محدود لیکن ذات کبریا لامحدود ہے۔ انسانی عقل کے بس کی بات نہیں کہ ذات کبریا کا احاطہ کر سکے اس کام کو کرنے کے لئے کبھی کبھار عشق ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور کچھ نہ کچھ حاصل کر ہی لیتا ہے۔

شعر نمبر2

عشق بھی ہو حجاب میں، حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر

علامہ اقبالؒ بڑے دلپذیر انداز میں اللہ تعالیٰ سے اپنی آرزو کا اظہار کرتے ہیں کہ اے خدا مجھے یہ بات کسی طرح بھی گوارا نہیں کہ عاشق بھی پردہ میں رہے اور معشوق بھی پردہ میں رہے۔ یہ

بات تو تقاضائے حسن کے خلاف ہے اور تقاضائے عشق کے بھی خلاف ہے کیونکہ حسن اپنے جلوؤں کا اظہار کرتا ہے اور عشق ان جلوؤں پر مرمٹنے کا اقرار کرتا ہے۔

علامہ فرماتے ہیں اے خدا یا تو خود اپنے آپ کو ظاہر کردے یا مجھے میرے تمام تر جوہر کے ساتھ ظاہر کر دے دراصل اقبال کا مقصود یہ بتانا ہے کہ انسان محض مٹی کا بنا ہوا پتلا نہیں ہے یہ مسجود الملائک ہے اگر یہ اپنے حقیقی مقام پر کھڑا رہے تو یہ ذات کبریا کی صفات کا مظہر ہے کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ نے اپنا حکم پھونکا ہے۔

یہ مٹی کی مورت بڑی چیز ہے

علامہ فرماتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ اے رب ذوالجلال واکرام آپ مجسم نہیں ہیں کہ بندوں کی آنکھوں پر عیاں ہو جائیں اسی لئے خود ہی دوسری صورت پیش کردی ہے جو کہ ممکن بھی ہے اور عاشق کی معراج اور اس کا مقصود بھی ہے واضح ہو کہ اظہار اور ظہور عشق کا تقاضائے ذات ہے عشق، عاشق کو بھی ظاہر کرنا چاہتا ہے (یہ اظہار ہے) اور خود بھی ظاہر ہونا چاہتا ہے (یہ ظہور ہے) جب عاشق ظاہر ہو گا تو عشق بھی خود بخود ظاہر ہو جائے گا دراصل علامہ کی مراد "یا مجھے آشکار کر" سے یہ ہے کہ اے خدا تعالیٰ مجھے اپنے فضل و کرم سے ایسی طاقت عطا فرما کہ میں اپنی مومنانہ زندگی سے تیرے نام کی عظمت کو دنیا پر ظاہر کرسکوں یعنی میرے حسن کردار سے اسلام دنیا میں سربلند ہو۔

شعر نمبر3

تو ہے محیط بیکراں' میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہم کنار کر یا مجھے بیکنار کر

علامہ فرماتے ہیں اے خدا تیری ذات غیر محدود ہے اور میں محدود ہوں یہ امتیاز اور تفریق اقتضائے عشق کے خلاف ہے اس لئے یا تو مجھے بھی اپنی آغوش میں لے کر لا محدود کردے اور اگر تجھے یہ صورت پسند نہ ہو تو پھر اپنے رنگ میں رنگین کر کے مجھ میں غیر محدودیت کی صفت پیدا کر دے میں تو اپنے آپ کو تیرے رنگ میں رنگنا چاہتا ہوں اصل حقیقت کے لحاظ سے خدا اور خودی دونوں ایک ہیں پانی دونوں جگہ موجود ہے یہ دوسری بات ہے کہ ایک جگہ غیر محدود اور دوسری جگہ محدود ہے کیونکہ شاعر نے خدا کو سمندر سے اور اپنے آپ کو نہر سے تشبیہ دی ہے ان دونوں میں

فرق کا تو کوئی حساب نہیں لیکن ایک قدر مشترک ہے یعنی پانی۔ حدیث نبوی ﷺ ہے "اپنے اندر اللہ جیسی صفات پیدا کرو" خالق چونکہ خود حسین ہے لہٰذا مخلوق کو بھی حسین دیکھنا چاہتا ہے چونکہ خود مہربان ہے مخلوق کو بھی مہربان دیکھنا پسند کرتا ہے خود رحم کرنے والا ہے رحم کرنے والے کو پسند کرتا ہے حدیث قدسی ہے "جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا"

علامہؒ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ مرشد کامل، سالک کو باطنی توجہ کے زور سے عشق الٰہی میں فنا کر دیتا ہے تو سالک اگرچہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے تو مخلوق ہی ہوتا ہے لیکن اس میں مرشد کامل رہبر شریعت کی توجہ کی بدولت خالق کی صفات کا عکس نظر آنے لگتا ہے اقبال نے اس طریقہ کو اپنے تمام کلام میں کئی مرتبہ بیان کیا ہے۔

فقر مومن چیست ؟ تسخیر جہات
بندہ از تاثیر او مولا صفات

شعر نمبر4

میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو
میں ہوں خزف تو تو مجھے گوہر شاہوار کر

علامہ فرماتے ہیں کہ اے خدا اگر تیری نگاہ میں میرے اندر کوئی خوبی ہے تو تجھ سے میری التجا یہ ہے کہ اس خوبی کو برقرار رکھ اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دے اور اگر تیری نظر میں میری ذات ہر قسم کی خیر و خوبی سے محروم ہے تو اپنے فضل کی بدولت میرے اندر خوبی پیدا کر دے۔ شاعر خدا کی خدمت میں التجا کر رہا ہے اس لئے از راہ ادب عاجزانہ رنگ اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی خوبی ہے تو تو اس کو قائم رکھ اور اگر نہ ہو تو اپنے فضل سے یہ نعمت مجھے عطا فرما دے۔

دراصل علامہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر انسان میں روحانی پاکیزگی، ایمان اور یقین کی پختگی حب رسول ﷺ اور جذبہ خدمت اسلام جیسی خوبیاں پیدا ہوں تو یہ صرف خدا تعالیٰ کے خصوصی کرم کا نتیجہ ہوتا ہے اس میں انسان کا اپنا کوئی کمال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں بہت زیادہ شعبے اپنے قبضہ میں رکھے ہیں یہ ہدایت دینے یا بے ہدایت رکھنے کا شعبہ بھی صرف اور صرف اپنے زیر سایہ رکھا ہے یہاں تک کہ اپنے خاص بندوں یعنی رسولوں کو بھی اس میں شراکت دار نہیں بنایا۔ قرآن

مجید میں ارشاد ربانی ہے اے نبی ﷺ مکرم و محترم آپ غم نہ کریں آپ کے ذمہ صرف حکم کا پہنچا دینا ہے۔ ہدایت دینا یا نہ دینا یہ ہمارا ذمہ ہے قیامت کے روز اس کے بارے میں آپ سے کوئی پوچھ نہیں ہوگی"

رب کریم تمام جہانوں اور کائناتوں کے بلاشبہ مالک ہیں انتظام کائنات چلانے میں ان کا کوئی ساجھی یا ساتھی نہیں ہے۔ ہاں موقع کی مناسبت اور بعض حالات کے مطابق جب خدا تعالیٰ اپنے اختیارات میں سے کچھ اختیار اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا فرماتے ہیں تو یہ رب کریم کا خاص فضل و کرم ہوتا ہے یہ عطائی ہوتے ہیں اور مخصوص وقت کے لئے دیئے جاتے ہیں۔

شعر نمبر5

نغمہ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو
اس دم نیم سوز کو طائرک بہار کر

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں اے اللہ تعالیٰ میں ایک مدت سے احیائے ملت اسلامیہ کے لئے کوشش کر رہا ہوں اس لئے قدرتی طور پر میری یہ آرزو ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا عروج کا دور اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔ لیکن تیری مشیت یہ حسرت میرے لئے مقدر نہیں ہے تو میں اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں کہ تو مجھے اس سے کمتر نعمت عطا فرمادے یعنی مجھے آمد آمد دور بہار اسلام کا مبشر بنا دے۔ اگر ملت کا عروج اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکوں تو کم از کم اس متوقع عروج کی آمد کی خوشخبری ہی اپنی ملت کے افراد تک پہنچادوں میرے لئے یہ شرف بھی کچھ کم نہیں ہے۔

علامہ اقبالؒ نے مسلمان اور ملت اسلامیہ کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کی ہیں انہوں نے اپنا خون جگر استعمال کر کے قوم کی پستی اور زوال کی تشخیص کی ہے اور پھر اس کا علاج قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا ہے علامہ اقبالؒ نے شاعری کی صورت میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھی ہے لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ قوم نے ان کی شاعری کو سمجھا نہیں علامہؒ اپنے دور کے مجدد گذرے ہیں فرماتے ہیں

خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر میرا کیا ہے، شاعری کیا ہے

علامہ اقبالؒ نے مسلمان قوم کو بار بار قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی تاریخ سے سبق حاصل کر کے دنیا اور آخرت کی کامیابی و کامرانی حاصل کر لینے کی کاوش کی ہے۔ ان کی یہ خواہش رہی کہ مسلمان ایک خدا کی اطاعت میں جینا اور مرنا سیکھ جائیں اور نبی مکرم و محترم ﷺ کی حقیقی غلامی اختیار کر لیں کیونکہ زندگی کی تمام تر کامیابیوں کا راز اسی میں پنہاں ہے محض نعرہ بازی سے کبھی کوئی قلعہ سر نہیں ہو سکتا بلکہ دنیا میں عزت اور وقار کے ساتھ جینے کے لئے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ آج بھی ہم جنگ بدر کی مثال تو دے لیتے ہیں لیکن ہم نے اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ وہ یقین محکم جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم فتح سے ہمکنار کیا وہ حالات اگر آج بھی ہم میں پیدا ہو جائیں تو تمام خدائی طاقتیں آج بھی ہماری مدد اور رہنمائی کے لئے موجود ہونگی کیونکہ آج بھی وہی خدا ہے وہی اس کی حاکمیت ہے وہی اس کے اختیارات ہیں لیکن صد افسوس کہ ہم وہ نہیں ہیں

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی
کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

شعر نمبر6

باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں؟
کار جہاں دراز ہے' اب مرا انتظار کر

اس شعر میں علامہ اقبالؒ نے حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے اخراج کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے اے خدا تو نے اپنی مشیت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو خود جنت سے نکالا پس اگر اب تو تنہائی محسوس کر رہا ہے تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے اب تو تجھے میرا انتظار کرنا ہی پڑے گا کیونکہ جب تک کار جہاں اختتام پذیر نہیں ہوتا میری تجھ سے ملاقات ناممکن ہے یعنی جب تو یہ کارخانہ عالم ختم کر دے گا اس وقت میں تجھ سے مل سکوں گا۔

شاعر اسلام نے حسن انداز بیاں کے پردہ میں اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ جس طرح انسان خدا سے ملنے کا آرزو مند ہے خدا بھی انسان کی ملاقات کا تمنائی ہے چنانچہ زبور عجم میں خود

انہوں نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے

ما از خدائے گم شدایم او بہ جستجو ست
چوں ما نیاز مندہ گرفتار آرزو ست

لیکن خدا نے خود اپنی مشیت کی بنا پر انسان کو ایک متعین عرصہ کے لئے دنیا میں بھیج دیا ہے۔ انجام کار جب یہ کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا تو کل شی یرجع الی اصلہ کے مطابق انسان پھر اپنے اصل کی طرف لوٹ جائے گا چونکہ تمام ارواح کو رب کریم نے خود ہی تخلیق کیا اور پھر تخلیق کرنے کے بعد ان کو اپنے حضور پیش کر کے عہد لیا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں" اس پر تمام ارواح نے اقرار کیا کہ "بے شک آپ ہیں ہمارے رب" اور اس کے بعد قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہوا کہ روح کیا ہے؟ یہ میرا حکم ہے اگر روح خدا کا حکم ہے تو خدا کا حکم تو سچا ہے۔ اب بھی اگر کوئی انسان خدائی احکام سے روگردانی نہ کرے اور اپنی تمام زندگی احکام خداوندی کے تابع رہ کر بسر کرے تو تمام خدا کی طاقتیں اس انسان کے تابع ہوتی ہیں اور خدا اپنے بندوں کو لاوارث نہیں چھوڑتے۔

تیرا تن روح سے ناآشنا ہے
عجب کیا' آہ تیری نارسا ہے
تن بے روح سے بیزار ہے حق
خدائے زندہ' زندوں کا خدا ہے

شعر نمبر 7

روز حساب جب مرا پیش ہو دفتر عمل
آپ بھی شرمسار ہو' مجھ کو بھی شرمسار کر

علامہ فرماتے ہیں اے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جب میں آپ سے ملوں گا تو میرا نامہ اعمال بھی میرے ساتھ آپ کے سامنے پیش ہو گا چونکہ میرے گناہوں کی فہرست بہت طویل ہے اس لئے مناسب تو یہی ہے کہ آپ پردہ پوشی سے کام لیں اور تمام مخلوق کے سامنے مجھ سے میرے گناہوں کی بازپرس نہ کی جائے چونکہ میں نے ایسے ایسے گناہ کئے ہیں جس سے انسانیت کا چہرہ مسخ ہو جائے گا۔ اور انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوقات بھی حیران رہ جائیں گیں کہ جس انسان کو خدا نے زمین

میں اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا اس کی نسل نے اتنا عظیم منصب پانے کے باوجود بھی ایسی ذلیل حرکتیں کی ہیں تو اس سے لازمی یہی نتیجہ نکلے گا کہ میں آپ کے سامنے نہایت شرمسار ہو جاؤں گا لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی اپنے عاشق کی اس شرمساری پر خود بھی شرم محسوس ہو گی۔ پس جب صورت حال یہ ہے تو اے اللہ کریم میں عاجزی کے ساتھ آپ سے یہی عرض کروں گا کہ قیامت کے روز آپ مجھ سے حساب طلب مت کریں اور اگر کرنا ہی ہے تو یہ معاملہ میرے اور آپ کے درمیان رہنا چاہئے اس طرح دونوں فریقوں کی عزت رہ جائے گی۔ شاعر خدا سے مخاطب ہے

مجھے یوں نہ خوار و ذلیل کر مجھے اوج دے کے جلیل کر
تیری آبرو ہے میری آبرو' میری آبرو ہے تیری آبرو

ویسے اس صورت حال کے پیش نظر انسان کو ابھی سے بات سمجھ جانی چاہئے تھی کہ اس نے ضرور ایسے گناہ' ایسی غلطیاں' کوتاہیاں اور خطائیں کرنی ہیں جس کی وجہ سے خدا کی ذات بھی شرما جائے اور خود انسان بھی ندامت محسوس کرے۔ کیا ابھی تو وقت ہے انسان کو ابھی سے اپنا محاسبہ نہیں کر لینا چاہئے کہ جو گناہ ہو چکے ہیں ان سے معافی مانگ لی جائے اور آئندہ کبیرہ گناہوں کی آلودگی سے اپنے آپ کو محفوظ کر لینا چاہئے اور ہر وقت خدا سے بھی دعا کرتے رہیں کہ وہ گناہوں خطاؤں اور غلطیوں سے محفوظ رہنے میں ہماری مدد اور دستگیری فرمائے آمین۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے

جلتے سورج کو اندھیروں میں اتر جانا ہے
اتنا بے سمت نہ چل لوٹ کے گھر جانا ہے

آیئے رمضان المبارک کے اس انتہائی مقدس اور خدائی فضل و کرم سے بھرپور مہینہ میں اللہ کے حضور عاجزی' انکساری اور آہ و زاری سے دعا کریں کہ وہ ہماری سابقہ خطاؤں کو معاف فرما دیں اور آئندہ تادم مرگ ہمیں نبی مکرم و محترم ﷺ کی غلامی میں زندگیاں بسر کرنے کی ہمت اور توفیق دیں۔ آمین

"ہو جا" کے حکم کا راز

ڈاکٹر ہلوک نور باقی

انما امرہ اذا اراد شیاان یقول لہ کن فیکون ○

ترجمہ! "وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا۔ اور وہ ہو جاتی ہے۔" (سورۃ یاسین آیت 82)

اب میں "ہو جا" کے حکم کے سائنسی مضمرات پیش کروں گا جو ایک ایسی اہم حقیقت ہے کہ جس کا اعلان کئی آیات میں کیا گیا ہے اور اس طرح یہ قرآن کے بنیادی قوانین میں سے ایک ہے۔

جب مثبت علوم (سائنسی علوم) انیسویں صدی عیسوی میں ترقی پذیر تھے تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ کائنات ایک ایسا نظام ہے جو ابدیت سے آہستہ آہستہ ارتقاء کے ذریعے وجود میں آیا۔ ہمارے دور میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو ابھی تک اس بے بنیاد ردشدہ نظریے پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسا خبط ہے جسے کچھ نام نہاد جدید لوگ چھوڑ نہیں سکتے۔ ورنہ انہیں تخلیق کے سلسلے میں اللہ کے عظیم رموز و اسرار پر ایمان لانا پڑے گا' چاہے وہ کائنات کی ابتداء سے متعلق ہوں' یا ان میں کائنات کے مادی پہلوؤں پر تحقیقات ہوں۔

بہر طور تخلیق سے متعلق حقائق کا علم حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تین اہم چیزوں یعنی فاصلہ' فضائے بسیط اور وقت سے متعلق نظریات اور تصورات کی گہرائی اور مکمل سوجھ بوجھ کا حاصل ہونا پہلی شرط ہے۔ اسی طرح آسمانی طبیعات (اسٹرو فزکس) جو تخلیق کا ریاضیاتی پروگرام ظاہر کرتی ہے کا علم بھی بیحد ضروری ہے۔ ماضی کے برخلاف' آج کی سائنس نے وہ تمام تفصیلات دریافت کرلی ہیں جو قرآنی سائنس سے مطابقت رکھتی ہیں۔ میں ان کو علیحدہ کتاب میں جمع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ لیکن اس موقع پر میں اللہ کی تخلیقات کی ان سائنسی تشریحات کو مختصر طریقہ سے بیان کروں گا جو قرآن میں دیئے گئے اس کے حکم "ہو جا" سے مطابقت رکھتی ہیں۔

کسی واقعہ کی ابتداء اور اختتام کے درمیان ہم آہنگی ایک انتہائی قابل توجہ نکتہ ہے اس واقعہ کا یہ درمیانی وقفہ ' ایک مفہوم میں وجودات کی قسمت بھی ہوتا ہے اور دوسرے معنوں میں وہ زندگی کا دورانیہ یا وقت ہوتا ہے۔ جدید فزکس اور بیالوجی نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ کوئی چیز اپنی تخلیق کے ابتدائی ریاضیاتی پروگرام کو تبدیل کرنے سے ہی اپنی ہیئت کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ مثلاً" فزکس میں کسی متحرک چیز کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اس نتیجہ سے مطابقت رکھے جو اس کی تیزی (رفتار) یا فریکونسی ' لہر کے عمل (WAVELENGTH) اور توانائی کے باہمی عمل سے پیدا ہو۔ چنانچہ سورج اور زمین کے درمیان ہزاروں اثرات میں سے گزر کر روشنی کی ایک پہلی کرن بغیر کسی تبدیلی کے ہماری آنکھوں تک پہنچتی ہے۔

اب ہم اس آیت مبارکہ کی تشریح کی طرف آتے ہیں۔ اس آیت کا مقصد دو لفظوں پر مرکوز ہے۔ ان میں سے پہلا وہ ہے جو تخلیق یعنی کائنات کی ابتدائی تخلیق کے متعلق ہے اس آیت کے ارشاد کے مطابق قادر مطلق نے حکم دیا کہ "ہو جا" اور آن کی آن میں پوری کائنات وجود میں آ گئی۔

دوسرے اس آیت کے معنی اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ اللہ کی مرضی اور منشاء کائنات کے اعمال میں جب چاہے دخل انداز ہو سکتی ہے اللہ جب بھی چاہے وہ اپنی منشاء سے کسی چیز کو بھی فوراً" وجود عطا کر دیتا ہے۔

یہ دونوں خصوصیات اپنے اندر عظیم سائنسی معنی رکھتی ہیں۔ جن کو سمجھنے کے لئے پیشگی طور پر چند بنیادی مادی موشگافیوں کا علم ہونا ضروری ہے۔ اس مقام سے آگے انسان کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ زمین پر اپنی مختصر حیات کے تجربے سے کائنات کی آخری حد تک کے علم کی اتھاہ گہرائیوں تک پہنچ سکے۔

اس آیت میں اہم نکتہ یہ حقیقت ہے کہ یہ سارا خدائی عمل ایک لمحے کے اندر ہی ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے سب سے پہلے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ وقت کی اس نوعیت کو سمجھا جائے۔

دوسری موجودات کے درمیان وقت کی کیا حیثیت یا پوزیشن ہوتی ہے؟ کیا وقت ایک سرگرمی کا نام ہے یا یہ بجائے خود ایک مخلوق ہے؟ یقیناً" ہر اہل ایمان یہ سمجھتا ہے کہ جو چیز بھی موجود ہے وہ اللہ کی پیدا کردہ ہے آیئے اب دیکھیں کہ اس موضوع پر سائنس کیا کہتی ہے۔

عظیم دھماکہ یا بگ بینگ تھیوری، جس کے متعلق ہم پہلے ہی بحث کر چکے ہیں وقت کے سوال پر ایک انتہائی خوبصورت اور دلچسپ نکتہ نظر پیش کرتی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس نظریئے کے تحت کائنات کی پیدائش کا عمل ابتدائی عظیم دھماکے کے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ کے اندر اندر ہی مکمل ہو گیا تھا اور کہکشاؤں کی ابتدائی تشکیل پہلے چھ سیکنڈوں کے اندر ہی ہو گئی تھی۔ مگر اس کے برخلاف کرہ ارض کے براعظموں کے بننے اور اپنا اپنا موجودہ مقام حاصل کرنے میں کروڑوں سالوں کا عرصہ لگ گیا۔ اس علم کی روشنی میں جو طبعی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ وقت ایک ایسی اکائی یا مقدار ہے جو "عظیم دھماکہ" (یا بگ بینگ) کے ساتھ ہی وجود میں آ گیا بہت سے ماہر طبیعیات یہ مانتے ہیں کہ ابتدائی عظیم دھماکے کے ساتھ وقت کا بہاؤ شروع ہو گیا۔ اور اس واقعہ سے پہلے وقت کے متعلق آج کی طرح سوچنا ہی ایک بیکار سی بات ہے۔

مادی نکتہ نظر سے وقت ایک تخلیق ہے اور ایک پیدا کردہ سرگرمی ہے۔ کائنات کی تخلیق کے بارے میں اسلامی سوچ کے تحت "وقت سے پہلے" کا بیان اس طبعی علم و شعور سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔

اس نظریہ کی بنیاد پر اب ہم فزکس کے اہم حقائق کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں کہ مشہور سائنسدان آئین سٹائن کے نزدیک وقت بھی ایک مخصوص پیمائش (CIMENSIONS) ہے اور ایک برابر کی منظم اکائی (DOORDINATE) ہے۔ جب کہ مشہور روسی ماہر طبیعات، نکولائی کو زیریف کے نزدیک وقت خود توانائی کی ایک شکل ہے۔ ماہر طبیعات ڈیوڈ فنکل سٹائن نے تو "کرونونز" یا وقت کے ذرے کے وجود کا تصور باندھا ہے یہ تمام طبعی نظریات صاف ظاہر کرتے ہیں کہ وقت، ایک مخلوق ہے اور یہ کہ یہ ایک ایسی اکائی ہے جسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔

حیات دنیا

سید قیصر شاہ بخاری

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق فرما کر مقررہ میعاد کے لئے دنیا میں خاص مقصود کے لئے بھیجا اور اپنی تعلیم و احکام سے سرفراز کیا تاکہ اپنے مقصد کو بھول کر اپنا دل دنیا سے نہ لگا بیٹھیں چنانچہ فرمایا ہے "اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل تماشا ہے اور ہمیشہ کی زندگی کا مقام آخرت کا گھر ہے کاش یہ لوگ سمجھیں" مولیٰ کریم اپنے بندوں کو متنبہ فرما رہے ہیں کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور چند روزہ ہے لہٰذا اپنے مقصود اور منشائے تخلیق کو بھول کر کہیں حیوۃ الدنیا پر ہی دل نہ لگا بیٹھیں اور اس دنیا کے حصول اور خورش و پوشش کے تفکرات میں رہ کر اصل سعی جو دار الاخرہ کے لئے چاہیے تھی اس سے ہرگز غافل نہیں ہونا چاہیے بمصداق"

"کہہ دو کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں"

یہ میدان (دنیا) ایک صورت میں قابل ستائش بھی ہے کہ اگر اس کا رجوع اور سعی صحیح راستہ پر صرف ہوئی اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری میں لگا رہا تو بمطابق

"اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی"

آج خواہ کس قدر بد کردار اور سر تا پا گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو بلکہ کفر و شرک میں مبتلا ہو تو بمصداق الا من تاب امن وعمل الصالحات فاولیک یبدل اللہ سیاتھم حسنت وکان اللہ غفورا رحیما ایک گھڑی میں توبہ کر کے ایمان لا کر اور عمل صالح کرنے سے گناہوں کو نیکیوں میں بدل سکتا ہے لیکن آخرت میں توبہ کرنا یا ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ میدان دنیا میں جو بیج بوئے گا اسی کا حصول پا کر آخرت میں مطمئن ہو سکتا ہے۔ آج کا وقت نہایت غنیمت ہے جو ہوا سے تیز جا رہا ہے حیوۃ الدنیا ختم ہو رہی ہے ایک ایک سانس کے ساتھ عمر کے محل کی ایک ایک اینٹ گر رہی ہے اگر اس کی ایک اینٹ (سانس) خدا کی یاد اور اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے فرمان کے

مطابق صرف ہوئی تو جان لے کہ تیرے لئے ملکا کبیرا" میں اعلیٰ ترین نعمات کا سرمایہ تیار ہو رہا ہے جو تیرے خیال بلکہ وہم و گمان سے بھی ورا ہے۔

یہ حیوۃ الدنیا مومن کے لئے قید خانہ ہونے کے باوجود عجیب و غریب نعمت بھی ہے کیونکہ اس میں انسان اللہ کے فضل و کرم سے توبہ کر کے مسلمان اور مومن' ابرار' مقرب' عاشق اور واصل الی اللہ ہو سکتا ہے اس کے حبیب ﷺ کے اتباع سے ۔بفضلہ تعالیٰ اللہ کا مقرب و محبوب بن سکتا ہے (انسان دنیا میں آیا ہی اس لئے ہے) لہٰذا اس بے بہار وقت کی قدر کرنی چاہئے کوئی خبر نہیں کہ کس وقت ملک الموت آجائے اور ہم اپنے اصلی مقام کی طرف لوٹ جائیں۔ خدا کرے ہم رضا مندی کی صورت میں "اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف آجا تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے میرے بندوں میں داخل ہو کر جنت میں داخل ہو جا" کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے حاضر بحضور ہوں جس طرح بطخ تمام دن پانی میں گزارتی ہے اور باہر نکلنے پر بالکل خشک ہوتی ہے مومن کو بھی ایسے ہی وقت گزارنا چاہیے بظاہر دنیا کے کاروبار میں شریعت کے مطابق مشغول رہے لیکن اس کو دل تک نہ پہنچنے دے۔

حضرت خواجہ حاجی شاہ حسینؒ جب حج ادا کرنے کے لئے بیت اللہ میں تشریف لے گئے تو آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ غلاف کعبہ کو پکڑے زارو قطار رو رہا تھا اور بڑے عجز و الحاح سے بارگاہ خدا میں مناجات کر رہا تھا آپ نے نظر باطن سے خیال فرمایا تو صرف منہ مناجات کے لئے خالی پایا باقی تمام وجود ناپاکی میں ڈوبا ہوا پایا استغفار کرتے ہوئے باہر تشریف لے گئے بازار میں پہنچے تو ایک آدمی کو دیکھا جو ایک ہاتھ میں مینا پکڑے دوسرے ہاتھ میں اشرفیاں تھامے کپڑے کی قیمت کے لئے بزاز سے جھگڑا کر رہا تھا مگر بصارت قلبی سے اس کی طرف نظر فرمائی تو اس کو بخدا اور یاد خدا میں مشغول پایا۔

اب قابل غور امر تو یہ ہے کہ دنیا جس کو اللہ کریم نے لہو لعب فرمایا ہے اور بندگان خدا نے بھی اس سے بیزاری کا ہی اظہار فرمایا ہے حضرت شیخ سعدیؒ کریما میں تمام نصائح کے بعد اخیر میں

سب سے بڑی نصیحت جو تمام کریما کی لب لباب ہے یہ تحریر فرماتے ہیں۔

منہ دل بریں دیر نا پائیدار
ز سعدی ہمیں یک سخن یاد دار

(سعدی کی بس یہ بات یاد رکھو کہ اس جہان ناپائیدار میں دل نہ لگانا)

ظاہر صورت میں تو تمام انبیاء اور اولیاء اور خواص بھی اس سے خالی نظر نہیں آتے قوت لایموت اور خورش و پوشش کے بغیر کسی کو چارہ نہیں نکاح کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا النکاح نصف الدین تو دنیا کیا چیز ہے جس کے لئے یہ نفرت آمیز الفاظ تحریر فرمائے ہیں مولنا روم فرماتے ہیں

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزندو زن

"دنیا کاروبارو' دولت اور بیوی بچوں کا نام نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو اللہ سے غافل کردے دنیا ہے"

معلوم ہوا دنیا اللہ سے غافل ہونا ہے نہ کہ سونا' چاندی اور بیوی بچے۔ خدا تعالیٰ سے دل لگانا عین دین اور صراط مستقیم ہے اور دنیا اور اسباب دنیا سے دل لگانا ہی گمراہی اور سخت ترین حجاب ہے جو اصل دوزخ ہے کیونکہ مولیٰ کریم نے بمطابق "کسی قالب میں دو دل نہیں بنائے" ایک ہی دل ہے چاہے تو خدا سے لگالے اور چاہے تو دنیا سے لگالے آج کل عجیب حال ہے دنیا کی طلب میں اس قدر انہماک ہے کہ نہ خدا سے واقف اور نہ حضور اکرم ﷺ سے کوئی واسطہ۔ صبح اٹھے تو دنیوی تفکرات میں حیران اور شام ہوئی تو اسی ورطہ حیرت میں پریشان۔ حیوۃ الدنیا اسی فکر میں گزاری اسی فکر و غم میں چل بسے اور اسی حجاب میں محجوب ہو کر اپنی آخرت تباہ کرلی۔ تو برادران طریقت یہ ہے حقیقت دنیا۔ مولیٰ کریم کلام پاک میں فرماتے ہیں۔

"جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے

ہیں اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں ان لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے دوزخ ہے"

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ ایسے اشخاص اس قدر غافل ہو چکے ہیں کہ ان کے ضمیر میں آخرت کی زندگی اور مولیٰ کریم سے ملاقات کی امید ہی نہیں چونکہ دنیا انسان کے لئے آزمائش کی جگہ ہے اور مولیٰ کریم تمام نعمات ظاہری و باطنی عنایت فرما کر امتحان لے رہے ہیں کہ ان میں کون میرا شکر گزار بنتا ہے اور کون دنیوی نعمات میں رہ کر غافل اور ناشکری کرتا ہے۔

انسان کو چاہئے کہ اپنے نفسانی ارادوں اور اوہام باطلہ کو یک لخت ترک کر کے تکبر اور رعونت کو عجز و انکساری میں بدل دے اس وقت نیک اعتقاد اور یقین سے جب مقصود کو اپنے ضمیر میں بوئے اور اعمال صالح سے اس کی آبپاشی کرے اور خوف و رجا کے سہارے پر چل کر روئیدگی ایمان کی حفاظت کرے اور غیر خیالات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے اور خدا اور اس کے حبیب اکرم ﷺ کے فرمان کی روشنی میں اس کی حفاظت کو لازم پکڑے اور کسی خدا کے بندے کو اپنا معاون و مددگار بنا کر اس کے دشمنوں سے بچائے اور اس کھیت کے تباہ کرنے والوں کا ہر وقت دھیان رکھے تو امید غالب ہے کہ وہ نیک مقصود بار آور ہو کر اس کے لئے قابل اطمینان ہو تو ایسا اطمینان دونوں جہان کی عزت کا باعث بنے۔ ایسے آدمیوں کے لئے ہی فرمان مولیٰ کریم ہے کہ "جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کو اس کے لئے بڑھاویں گے اور جو کوئی حیوۃ الدنیا کو چاہتا ہے اور اس کی طلب کرتا ہے تو بمطابق جو دنیا کی کھیتی کو چاہتا ہے اس کو ہم اس میں ہی سے دیں گے اور آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں۔

وہ ذات پاک ارحم الرحمین جب دیکھتے ہیں کہ اس کی طلب صادق ہے تو اس پر فضل و کرم فرما کر مالا مال کر دیتے ہیں اور اگر دل میں آخرت کی طلب ہی نہ ہو تو پھر اس کا حصول ہی مفقود ہوتا ہے اور نہ اس کے لئے سعی اور کوشش ہو سکتی ہے بلکہ ان کی سعی و کوشش اور جدوجہد محض دنیا اور اس کے اسباب کی طرف ہوتی ہے اور ان کا مقصود صرف حیوۃ الدنیا تک محدود ہوتا ہے تو ایسے

انسان کے متعلق فرمان مولیٰ کریم ہے۔

"یہ لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور قیامت کے بھاری دن کی تیاری کو چھوڑ رہے ہیں"

اے عزیز تیرے اعمال و کردار کی تحریر قلم بند کی جا رہی ہے اور بمصداق "کوئی لفظ زبان سے نہیں نکلتا مگر اس کے لئے نگہبان تیار بیٹھا ہے ایک فرشتہ تیرے دائیں طرف اور ایک بائیں پہلو پر تیار کھڑا ہے نیک و بد اعمال کا دفتر تیار ہو رہا ہے اور قیامت کے دن اس دفتر کو تیرے سامنے نکال دکھائیں گے جسے تو کھلا ہوا دیکھے گا اور حکم ہو گا اپنی کتاب پڑھ لے آج کے دن تیرے نفس کے حساب کے لئے یہ کافی ہے" اس وقت نہایت افسوس کے ساتھ کہے گا کہ اے وائے یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے اور نہ بڑی کو مگر اسے لکھ رکھا ہے اور صرف لکھا ہوا نہ ہو گا و وجدو ما عملو حاضرا کے مطابق زمان و مکان کی قید کے ساتھ اپنے اعمال کو حاضر پائے گا گویا ایک قسم کا فوٹو ہو گا جس میں انسان اپنے آپ کو اپنے عمل سمیت حاضر دیکھے گا اور مولیٰ کریم کسی پر ظلم نہیں کرتے اس وقت افسوس کرنے کا کچھ فائدہ نہ ہو گا اگر اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ پر ایمان ہے اور یوم القیامت اور جزا و سزا پر اعتقاد ہے تو آج وقت نہایت عزیز اور نایاب ہے اس میں سچے دل سے صحیح طور پر توبہ کر کے اپنی اس کتاب میں سیئیات کی تحریر کو مٹا کر حسنات سے مزین کر کے اس رسوائی اور عذاب سے بچ سکتے ہیں اس ذات پاک سے فضل اور مہربانی کا سوال کرے اور توفیق مانگے تو مولیٰ کریم اپنے فضل و کرم سے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرما دیں تو اس کی رحمت سے کچھ بعید نہیں۔

ماخوذ از (انشراح الصدور بتذکرۃ النور
(سوانح حضرت نور الحسن شاہ حضرت کیلیانوالہ)

اولین آسمانی صحائف ۔ وید

وید کا تعارف

ہم سب سے آگے کے خدا کی ہی عبادت کرتے ہیں" (رگ وید ۱-۱-۱)

"اے سراپا علم، سب کو روشن کرنے والے پرمیشور ہم کو ہدایت اور مغفرت کے لئے صراط مستقیم سے لے چل۔ اے سکھ داتا پربھو! حاضر و ناظر مالک! تو سب کے علوم، اعمال، افکار اور معاملات سے واقف ہے۔ ہم سے ٹیڑھ، گمراہی اور گناہ کو دور کر۔ ہم تجھے ہی بندگی اور حمد پیش کرتے ہیں"۔ (یجروید 40-16)

عالم کا مالک ایک ہی ہے (رگ وید)

"لوگو سنو نراشنس (محمد ﷺ) کی لوگوں کے درمیان انتہائی تعریف کی جائے گی" (اتھروید 20-127-1)

"وہ یوم آخر کو بھلا کر اور علم و عقل کو حقارت سے ٹھکرا کر ہماری مقرر کردہ حدود کو پھلانگ رہے ہیں"

(رگ وید 1-4-3)

یہ کچھ وید منتروں کے ترجمے ہیں۔ سنجیدگی سے غور کیجئے کہ ہندو مذہب کی موجودہ رائج شکل ویدوں کی ان تعلیمات کے بالکل برعکس نہیں ہے؟ کیا ان تعلیمات اور منتروں میں قرآنی تعلیمات اور منتروں سے ذرا سی بھی عدم مطابقت آپ کو محسوس ہوتی ہے؟ ویدوں میں ایسی صرف چند مثالیں ہی نہیں ہیں بلکہ تمام کے تمام وید ان تعلیمات سے بھرے پڑے ہیں جس کی کچھ اور مثالیں ہم اس باب کے آخر میں پیش کریں گے۔ اس سے پہلے آیئے دیکھیں کہ عام ہندوؤں کی نظر میں ویدوں کا مقام کیا ہے اور جن عیسائی اور مسلم محققین نے کسی حد تک ویدوں میں تحقیق کی ہے وہ کیا کہتے ہیں۔ عام ہندو عقیدے کے مطابق۔

☆ وید شروتی گیان (سنا ہوا علم یا سنا جانے والا علم) ہیں ہزاروں سال سے وید کہیں تحریری شکل میں موجود نہیں تھے۔ یہ علم پنڈتوں کے حافظے میں تھا اور سینہ بہ سینہ چلا آ رہا تھا سب سے پہلے میکس ملر نے سخت محنت سے بہت سے ویدوں کے حافظ پنڈتوں سے سن کر اسے تحریری شکل میں مرتب کیا۔ تحریری شکل میں نہ ہونے کی وجہ سے عام لوگوں کے لئے انہیں پڑھنا تو ظاہر ہے ممکن ہی نہ تھا۔ وید سننے کی بھی ہر ایک کو اجازت نہ تھی۔

☆ تمام ہندو مانتے ہیں کہ اصل وید ایک تھا لیکن آج چار وید موجود ہیں اس بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہیں کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اصل وید گم ہو گیا ہے۔ کچھ کا عقیدہ ہے کہ ان چاروں ہی میں سے ایک اصل وید ہے اور بعض لوگ ایک وید کو ان چار حصوں میں تقسیم شدہ مانتے ہیں۔

☆ وید دیووانی ۔ یعنی کلام الہٰی ہیں۔ ہندو لوگ مہابھارت اور رامائن کو تو رشیوں سے منسوب کرتے ہیں لیکن وید کو خدا کا کلام کہتے ہیں۔

☆ وید برہم کا نج گیان خدا کا ذاتی علم ہے

☆ وید دو طرح کے علوم پر مشتمل ہیں۔ وید منتر شروتی۔ یعنی سنا ہوا محکمات کا علم اور وید تنتر شروتی یعنی سنا ہوا متشابہات کا علم

☆ وید آدگرنتھ یعنی اولین صحائف ہیں

موجودہ دور میں ویدوں میں سب سے پہلے تحقیق کرنے والے میکس ملر صاحب کو بیس سال تک بے تکان محنت اور بے اندازہ خرچ کرنے پر بھی صرف ساین آچاریہ کی تفسیر ہی مکمل حالت میں حاصل ہو سکتی تھی۔ اسی کی بنیاد پر انہوں نے سینکڑوں ہندوستانی پنڈتوں کی مدد سے کثیر تعداد میں کھوئے ہوئے ویدوں کو دنیا کے سامنے چھپی ہوئی مقدس کتاب کی شکل میں پیش کیا تھا۔

"آرین انسان سے وابستہ یہ سب سے پہلے بولے جانے والے الفاظ ہیں ان کا تعلق دنیا اور ہندوستان کی تاریخ سے ہے۔ یہ پچھلی نسلوں کی یادگار ہیں نسل انسانی کی آرین شاخ سے متعلق طویل کتابی سلسلوں کی پہلی کتاب ہیں (میکس ملر)

"ان چار ویدوں کی ابتدا آسمانی خیال کی جاتی ہے اور یہ مانا جاتا ہے کہ یہ ہمیشہ سے چلے آرہے ہیں عظیم ترین پیدا کرنے والے سے یہ براہ راست حاصل ہوئے ہیں"

"موجودہ شکل تک پہنچتے پہنچتے وید کے مضامین کے بارے میں خاطر خواہ اختلافات رہے ہیں" (ولکنس)

ویدوں کی تخلیق کس نے کی؟ یہ ٹیڑھا سوال ہے۔ راسخ العقیدہ ہندو ایسا مانتے ہیں کہ وید غیر انسانی کلام' خدا کا کلام ہیں۔ مقصد یہ کہ وید خدائی علم ہیں (ڈاکٹر سمپورنانند)

عیسائی محقق ڈیوبائیس لکھتا ہے

"اور نقل کرنے والوں سے لاپرواہی یا جہالت میں بڑی غلطیاں ہوئی ہیں"

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ہم عصر مرزا مظہر جان جاناںؒ کے شاہ عبدالعزیزؒ کے نام لکھے ہوئے مکتوب پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر خلیق نظامی تحریر کرتے ہیں۔

"انہوں نے ہندوؤں کو مشرکان عرب کے مشابہ تسلیم کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ وید کو الہامی کتاب مانتے ہوئے ہندوؤں کو اہل کتاب کا مرتبہ دیا ہے"۔

"مظاہر العلوم سہارنپور کے مفتی مولانا محمد یحییٰ صاحب نے ایک سوال کے جواب میں لکھا۔ حضرت مرزا جان جاناں نور اللہ مرقدہ کے مکتوبات میں وید کے متعلق تحریر موجود ہے کہ انہوں نے اس کو آسمانی اور الہامی کتاب قرار دیا ہے...... نیز مولانا شاہ عبدالعزیزؒ اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کے فتاویٰ میں ان کے مقتداؤں کا ذکر ہے جن کو یہ اوتار (اتارے ہوئے) کہتے ہیں حاصل یہ ہے کہ جو لوگ مثلاً آریہ اپنے مذہب کو آسمانی دھرم اور اپنی کتاب کو الہامی کتاب کہتے ہیں ان سے ان کے دعویٰ پر برہان طلب کی جاسکتی ہے لیکن بلاوجہ حتمی طور پر اس کا انکار نہ کیا جائے۔ چنانچہ ہمارے استاد مولانا اسعد اللہ صاحبؒ نامناسب الفاظ ان کے لئے استعمال نہیں فرماتے

تھے"

اور دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا مسلک تو اس سلسلے میں اتنا محتاط تھا کہ رام چندر جی اور کرشن جی کی شان میں گستاخی کو منع فرماتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں ان کے رسول ہونے کا امکان ہے۔

مقدس کیسے مانیں؟

اب تک کا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ ویدوں میں آسمانی کلام ہونے کا امکان ہے۔ کم از کم وہ حصے یقیناً الہامی ہیں جن میں ہزاروں سال قبل وی ہوئی رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبریں موجود ہیں لیکن یہ بہ حیثیت مجموعی صرف توحید و آخرت کے عقائد کی موجودگی اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ انھیں کتاب اللہ کی اس تحریف شدہ شکل کا بھی درجہ دیا جا سکے جو توریت' زبور اور انجیل کا ہے۔ اس کی تین وجوہات ہیں۔

1۔ موجودہ توریت' زبور اور انجیل ہی کو کتب مقدس کے درجہ پر رکھنے میں ابھی شبہات ہیں

2۔ کلام کے مستند ہونے کی دلیل خود کلام ہوتا ہے۔ توحید اور آخرت کی صرف چند مثالیں ملنے سے ویدوں کو ابھی توریت' انجیل اور زبور کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

3۔ توریت' زبور اور انجیل کا ذکر قرآن نے کیا ہے اور ویدوں کا قرآن میں کہیں تذکرہ نہیں ہے ہم ایک ایک کر کے مندرجہ بالا اشکالات کا تجزیہ کر رہے ہیں۔

1۔ موجودہ توریت' زبور اور انجیل کو کتب مقدسہ کا درجہ دیئے جانے کے مسئلہ کو مولانا حمید الدین فراہی نے بڑی خوبی کے ساتھ حل کیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں۔

"۔۔۔ ہمارے علماء عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ اصلی توریت اور انجیل غائب ہو چکی ہیں۔۔۔۔۔۔ اس لئے وہ ان کتابوں کو مقدس ماننے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں۔ اس نظریہ سے یہ برا نتیجہ پیدا ہوا کہ قرآن حکیم نے جہاں اہل کتاب کو اپنی کتابوں پر عمل کرنے کی دعوت دی اور عمل نہ کرنے کا الزام دیا ان کی صحیح تفسیر کرنے سے ہمارے علماء عاجز آ گئے۔۔۔"

"۔۔۔ قرآن عظیم کی طرح الہی وحی جس کے معانی و الفاظ مقرر ہو کر نازل ہوں اور قطعی طور پر محفوظ رہیں چند ٹکڑوں کے علاوہ کسی مذہب کی کتاب الہی میں یہ طریقہ نہیں برتا گیا عام طور سے (ان کے) آئمہ دین کتابیں اپنے اجتہاد سے جمع کرتے ہیں جو اس نبی کی سیرت اور اس کے اقوال کو جمع کر دیتی ہیں یعنی ان ہی کتابوں میں وہ چیز بھی آ جاتی ہے جو براہ راست لفظاً" اور معنی مقرر ہو کر نازل ہوئی۔ جیسے توریت کے احکام عشرہ اور انجیل کے بعض خطبات نیز وہ چیز بھی آ جاتی ہے جو نبی اپنے اجتہاد سے تعلیم دیتا ہے۔ یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ نبی کے اجتہاد پر منجانب اللہ گرفت نہ ہو تو وہ حکماً" وحی سمجھی جاتی ہے۔

"۔۔۔ قرآن خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک مصحف میں کتابتہً محفوظ کر دیا گیا اور اس کی روایت

بالترتیب قائم رہی لیکن حدیث میں جو وحی آئی ان (علماء) کے نزدیک بھی نہ تو حضور ﷺ کے زمانے میں اس کی کتابت ہوئی اور نہ اس کے لئے تواتر ضروری ہے۔ ان لوگوں کی اصطلاح پر اگر کتب مقدسہ سابقہ کو کتب حدیث کا درجہ دیا جائے تو بطریق اولیٰ اس کو مستبعد نہیں سمجھنا چاہئے۔ اگر یہ لوگ اس بات کو تسلیم کرلیں تو تمام اشکال حل ہو جائیں گے۔

☆ ہماری کتب حدیث میں بالاتفاق غیر صحیح روایات بھی موجود ہیں

☆ نیز ان کتب حدیث میں ایک واقعہ کو مختلف طریقوں سے بھی روایت کیا گیا ہے۔

☆۔ ہماری بہت سی کتب حدیث میں بھی کاتبوں سے غلطیاں ہوتی رہی ہیں جن کو محققین علماء درست کرتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد اگر اناجیل اربعہ کو ہماری صحاح اربعہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی) کے درجہ پر رکھ دیا جائے تو ذرہ برابر اختلاف نظر نہیں آئے گا۔

"ہماری امت میں کتب مقدسہ کی اس قسم کی مثال میں شاہ صاحب (ولی اللہؒ دہلوی) صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو پیش کرتے ہیں

".....میں نے انجیل کی شرح مسٹر ہنری اسکاٹ کی اردو میں مطالعہ کی اس میں اناجیل اربعہ کے اختلافات کو اس طرح جمع کرنے اور ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے جیسے ہم کتب حدیث میں کرتے ہیں"

یہ واقعہ ہے کہ جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ آج تک پچھلے صحائف کو مقدس کتابوں کا درجہ دینے میں یہی شکوک حائل رہے ہیں۔ ان کتابوں میں بالاتفاق تحریفات بھی درج ہیں۔ اکثر ایک واقعہ کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے اور ان کی کتابت میں تبدیلیاں بھی ہوتی رہی ہیں۔ جنہیں ان کے محققین درست کرتے رہے ہیں۔

مولانا کی وضاحت کے بعد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پچھلے صحائف کو مقدس ماننے میں دراصل ہچکچاہٹ ہی دراصل اس لئے محسوس ہوتی تھی کہ صحیفہ کا نام آتے ہی ہم ذہنی طور پر قرآن سے اس کا موازنہ شروع کردیتے ہیں جب کہ ان میں وہی فنی خامیاں موجود ہیں جو پچھلے صحیفوں میں ہیں تو ان صحیفوں کو مقدس ماننے میں تکدر نہیں ہو گا خصوصاً" اس حالت میں جب کہ قرآن میں جگہ جگہ اس کی تاکید ہے اور یہ بھی محل نظر رہے کہ احادیث کے مجموعوں کو اگر یہ فوقیت حاصل ہے کہ ان پر بے مثال تحقیق ہوئی ہے (اس کے باوجود بڑی تعداد میں مشکوک احادیث موجود ہیں) تو توریت اور انجیل کو اس لحاظ سے برتری حاصل ہے کہ بالاتفاق ان میں کلام الٰہی بھی درج ہے۔

اس نکتہ نظر کو واضح ہو جانے کے بعد اب اگر ہم کو ویدوں کے بارے میں یہ ثبوت مل سکیں کہ ان میں درج کلام خود کلام اللہ ہونے کی گواہی دیتا ہے اور قرآن سے بھی ویدوں کی تصدیق ہو جائے تو مولانا سندھیؒ کے بتائے ہوئے طرز پر انہیں بھی کتب مقدسہ تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔

اہل مجاہدہ کی دس خصلتیں

ماجد محمود توحیدی

محاسبہ و مجاہدہ نفس کرنے والے اہل طریقت کے لئے دس عمدہ خصلتیں ہیں جن پر وہ ہمیشہ عمل پیرا رہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارشاد نبوی ﷺ کے اتباع میں ان خصائل پر قائم و راسخ ہو جاتے ہیں تو معرفت و روحانیت کے بلند پائے پالیتے ہیں۔

1۔ پہلی خصلت یہ ہے کہ بندہ قصداً و سہواً جھوٹی یا سچی قسم ہرگز نہ کھائے اور خود کو قسم کھانے کا عادی ہرگز نہ بنائے۔ خواہ وہ قسم اللہ کے نام سے ہو اس کی کتاب مقدس کے نام سے نبی اکرم ﷺ کے نام سے یا کسی بھی اور ذریعے سے کیونکہ جب کوئی شخص قسم کھانے کا عادی ہو جاتا ہے۔ تو اس کے نزدیک قسم کی کوئی عظمت و اہمیت نہیں رہتی اور وہ دانستہ یا نادانستہ اس کی خلاف ورزی کرنے لگتا ہے۔ جو بد عہدی کے علاوہ خدا کے غیظ و غضب کو برانگیختہ کرتی ہے لیکن جب انسان خود کو ترک حشمت کا عادی بنائے اور اشد ضرورت کے وقت بھی قسم نہ کھائے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنے انوار و برکات نازل فرماتا ہے۔ جس سے وہ ظاہری اور باطنی نعمتوں میں اضافہ پاتا ہے۔ اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ لوگوں میں اس کی تعریف و توصیف ہوتی ہے۔ لوگ اسے ایک عمدہ مثال سمجھ کر اس کی پیروی کرتے ہیں اور جو اسے دیکھتا ہے اس سے مرعوب و ہیبت زدہ ہوتا ہے۔

2۔ دوسری خصلت یہ ہے کہ بندہ احتیاطاً "یا ہنسی مذاق میں جھوٹ بولنے سے احتراز کرے۔ اس لئے کہ جھوٹ انسان کو بزدل اور اس کے قلب و دماغ کو زنگ آلود کر دیتا ہے اور اس سے خلق خدا میں اس کا اثر و اختیار اٹھ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جو شخص انسانوں کے سامنے جھوٹ بول سکتا ہے وہ خدا پر بھی کذب اور بہتان طرازی سے گریز نہیں کرتا اس کے برعکس اگر وہ اپنی زبان کو سچ بولنے کا عادی کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے شرح صدر عطا فرمائے گا اور اس کا سینہ علوم و معارف اسلامیہ کے لئے کھول دے گا۔ جب وہ دوسروں سے جھوٹ سنے گا تو اپنی زبان اور عمل سے ان کو سچ کی تبلیغ و تلقین کریگا الغرض جھوٹ ضعیف العقیدہ اور فاسق و فاجر لوگوں کا شیوہ ہے اور سچ یا حق گوئی صاحب

ایمان، اولیا، صلحا اور صدیقین کا دستور عمل ہے۔

3۔ تیسری خصلت یہ ہے کہ جب بندہ کسی شخص سے کوئی عہد و پیمان کرے تو اپنے وعدے کی خلاف ورزی ہرگز نہ کرے۔ قرآن و حدیث میں پابندی عہد کی پے در پے تاکید آئی ہے اسے ایمان کی ایک بہت بڑی علامت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے "اے مسلمانوں تم اپنے عہد و پیماں کی تعمیل کیا کرو کیونکہ تم سے تمہارے وعدوں کے متعلق بازپرس ہو گی"۔ نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے عہد و پیماں کی پابندی نہیں کرتا اس میں "ایمان ہی نہیں" پس یاد رکھو کہ کسی سے وعدہ کر کے توڑ دینے کے مقابل یہ طرز عمل زیادہ بہتر ہے کہ تو وعدہ ہی نہ کرے۔

4۔ چوتھی خصلت یہ ہے کہ انسان کسی بنی آدم یا چیز پر لعنت نہ کرے۔ کیونکہ لعنت کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو پہنچتا ہے اور عالم الغیب ہونے کے لحاظ سے وہی خوب جانتا ہے کہ کون سا شخص یا چیز لعنت کے قابل ہے اور معتوب و مغضوب ہونے کی مستحق ہے۔

پس لعنت نہ کرنا اور مخلوقات کو ضرر و ایذا نہ پہنچانا اولیاء اللہ اور ابرار و صدیقین کی صفت ہے اور اس موضوع پر ان کا اتباع کرنے والوں کے درجات دنیا و عقبیٰ میں بلند کیے جاتے ہیں۔

5۔ پانچویں خصلت یہ ہے کہ مسلمان کسی کے لئے بدعا کرنے سے پرہیز کرے اگر اس پر کسی جانب سے زیادتی اور ناخدا ترسی ہوئی ہے تو اس کے لئے بدعا کرنے کی بجائے اس کے راہ راست پر آجانے کی دعا کرے اور تحمل و برداشت سے کام لے۔ یہ خصلت ایسے شخص کے درجات بلند کرتی ہے۔

6۔ چھٹی خصلت یہ ہے کہ مومنین اور اہل قبلہ میں سے کسی شخص پر یقین و وثوق کے ساتھ کافر و مشرک ہونے کا حکم نہ لگائے۔ تاوقت کہ اس کے پاس پختہ اور واضح ثبوت مہیا نہ ہو جائے۔ کسی کی تکفیر کرنا ایک بہت نازک اور ذمہ داری کا فعل ہے اور ہر شخص کو بغیر سمجھے سوچے اور تحقیق کے بغیر اس کا مرتکب نہیں ہونا چاہئے۔ بخلاف اس کے کہ کسی کی تکفیر نہ کرنا علم الٰہی میں دخل دینے سے بچنا ہے اور اتباع سنت نبوی ﷺ ہے اور انسان کسی کلمہ گو کو کافر یا منافق قرار دینے سے محفوظ رہتے ہوئے اپنے ہی ایمان کی نگہداشت کرتا ہے۔

7۔ پھر ساتویں خصلت یہ ہے کہ انسان گناہ و معصیت میں مبتلا کرنے والی حرام چیزوں کو دیکھنے یا ان کی طرف راغب ہونے سے پرہیز کرے اور اپنے اعضاء کو نواہی اور اللہ تعالیٰ کی ممنوع قرار دی ہوئی چیزوں سے باز رکھے۔ یہ احکام الٰہی کا احترام ہے جس کے لئے اللہ اپنے بندے کو دنیا و عقبیٰ میں عزت و سرفرازی عطا فرماتا ہے۔

8۔ آٹھویں خصلت یہ ہے کہ مخلوقات میں سے کسی پر خواہ وہ اپنے سے بڑا ہو یا چھوٹا اپنا بوجھ ناروا طریق پر نہ ڈالے اور انہیں ظلم و زیادتی سے مکلف نہ کرے۔ یہ خصلت دیندار اور ذاکر و عابد لوگوں کی عزت ہے اور اسی کی تعمیل سے وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی قوت و توفیق پاتا ہے جب مومن کی یہ روش ہو اور وہ اپنی حاجات و ضروریات کے لئے اللہ کے علاوہ مخلوقات کو مکلف نہ کرے اور نہ ان کے صدقات پر نظر رکھے تو اللہ تعالیٰ اسے توکل اور استغنا کی بے مثل صفات عطا فرماتا ہے یہ خصلت توحید و اخلاص کا بلند رتبہ پانے کے لئے بہت مفید ہے۔

9۔ نویں خصلت یہ ہے کہ مسلمان حرص و ہوس کا اتباع نہ کرے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر حمد و شکر بجالائے اور مخلوقات کو اپنی خواہشات و مطالبات کا مرجع نہ بنائے۔ یہ توکل کی روح ہے اور اعتماد علی اللہ کا اصول اور یہ ان برگزیدہ بندگان حق اور اولیاء اللہ کی علامات میں سے ہے۔

10۔ دسویں خصلت یہ ہے کہ تواضع اختیار کی جائے اور عجز و انکساری کو اپنا شعار بنایا جائے۔ تواضع سے مسلمان کا رتبہ بلند ہوتا ہے خالق و مخلوق کے نزدیک وہ عزت و توقیر حاصل کرتا ہے اور اس کی دعا و مناجات میں وہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت کی جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مہیا فرما دیتا ہے۔ یہ خصلت تمام عبادات کی اصل ہے اور ایمان و اخلاق کی تمام عمدہ صفات جنم لیتی ہیں اس خصلت سے مومن ان اولیاء اللہ کی سیرت پاتا ہے جو راحت یا تکلیف اور خوشی یا غمی دونوں میں اللہ سے راضی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں تواضع اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

انتخاب از "فتوح الغیب"
"حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ"

مسجد کے آداب

(حافظ محمد یاسین)

خدا کی نظر میں روئے زمین کا سب سے زیادہ بہتر حصہ وہ ہے جس پر مسجد تعمیر کی جائے۔

خدا سے پیار رکھنے والوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ مسجد سے بھی پیار رکھتے ہیں۔ قیامت کے دن جب کہیں کوئی سایہ نہ ہو گا' خدا اس دن اپنے اس بندے کو اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہو حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے

ترجمہ! "اور وہ شخص عرش کے سائے میں ہو گا جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہو"

مسجد کی خدمت کرنا اور اس کو آباد رکھنا ایمان کی علامت ہے

ترجمہ! "خدا کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد رکھتے ہیں جو خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔" (التوبہ)

فرض نمازیں ہمیشہ مسجد میں جماعت سے پڑھئے' مسجد میں جماعت اور اذان کا باقاعدہ نظم رکھئے اور مسجد کے نظام سے اپنی پوری زندگی کو منظم کیجئے۔

مسجد ایک ایسا مرکز ہے کہ مومن کی پوری زندگی اس کے گرد گھومتی ہے حضور پاک ﷺ نے فرمایا

ترجمہ:۔ "مسلمانوں میں بعض لوگ وہ ہیں جو مسجدوں میں جمع رہتے ہیں اور ہٹتے نہیں ہیں فرشتے ایسے لوگوں کے ہم نشین ہوتے ہیں"

اگر یہ لوگ غائب ہو جائیں تو فرشتے ان کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور اگر بیمار پڑ جائیں تو فرشتے ان کی بیمار پرسی کرتے ہیں اور اگر کسی کام میں لگے ہوں تو فرشتے ان کی مدد کرتے ہیں۔ مسجد میں بیٹھنے والا خدا کی رحمت کا منتظر ہوتا ہے۔

(1)۔ مسجد میں نماز کے لئے ذوق و شوق سے جائیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "صبح و شام مسجد میں نماز کے لئے جانا ایسا ہے جیسے جہاد کے لئے جانا" یہ بھی فرمایا "نماز باجماعت کے لئے مسجد میں جانے والے کو ہر قدم ایک نیکی کو واجب کرتا ہے اور ایک گناہ کو مٹاتا ہے"

(2)۔ مسجد کو صاف ستھرا رکھئے' مسجد میں جھاڑو دیجئے' کوڑا کرکٹ صاف کیجئے' خوشبو

مرکز سے ہدایات

(1)۔ سانحہ ارتحال

وزیر آباد والے ہمارے بھائی مخدوم ریاض حسین صاحب انتقال فرما گئے ہیں آپ کو بانی سلسلہ توحیدیہ ؒ سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ آپ نے طویل علالت کا جس قلندرانہ اور دلیرانہ طریقہ سے مقابلہ کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔ تمام برادران سلسلہ سے التماس ہے کہ ان کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما کر اپنے مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین!

(2)۔ سالانہ تعلیمی دورہ

شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے تمام برادران سلسلہ کے لئے یہ ہدایات جاری فرمائی ہیں کہ ہر بھائی سالانہ اجتماع سے قبل بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمت اللہ علیہ کی تصانیف کا لازمی مطالعہ کیا کریگا۔ اس طرح پوری تعلیم یاد ہو جائے گی اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔ اس سال کے لئے مندرجہ ذیل نظام الاوقات ترتیب دیا گیا ہے۔

ا۔ تعمیر ملت:۔ وقت مطالعہ چار ہفتے ۔ ماہ فروری

ب۔ چراغ راہ :۔ وقت مطالعہ چار ہفتے ۔ ماہ مارچ

ج۔ طریقت توحیدیہ :۔ وقت مطالعہ ایک ہفتہ ۔ ماہ اپریل پہلا ہفتہ

د۔ حقیقت وحدت الوجود:۔ وقت مطالعہ ایک ہفتہ ۔ ماہ اپریل دوسرا ہفتہ

☆۔ تمام خادمان حلقہ ہر ہفتے متعلقہ کتاب کا ایک معقول حصہ مقرر کر کے بھائیوں کو بتا دیا کریں۔ اگلے ہفتہ وار ذکر کے بعد اس حصہ میں سے چیدہ چیدہ باتیں تمام بھائیوں سے پوچھی جائیں تاکہ مطالعہ کو یقینی بنانے میں مدد ملے اور بھائیوں کو تقریر کرنے کی مشق بھی ہو جائے۔
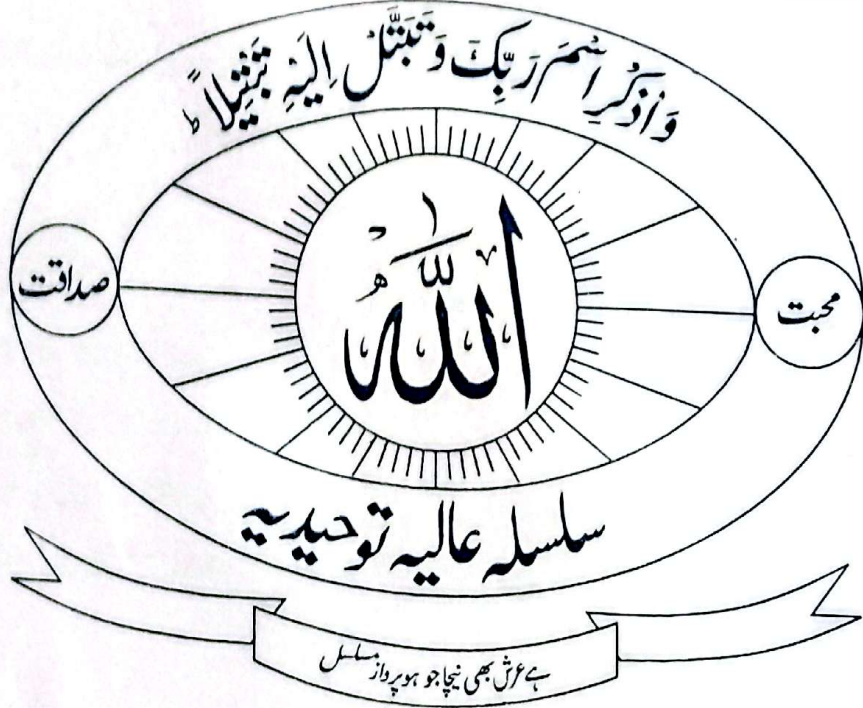
بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ متلاشیان حق غلط راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر بحث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں

- ☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے
- ☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح
- ☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے
- ☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
- ☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے
- ☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق
- ☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں
- ☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہہ
- ☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت از بام کر دی گئی ہے اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔